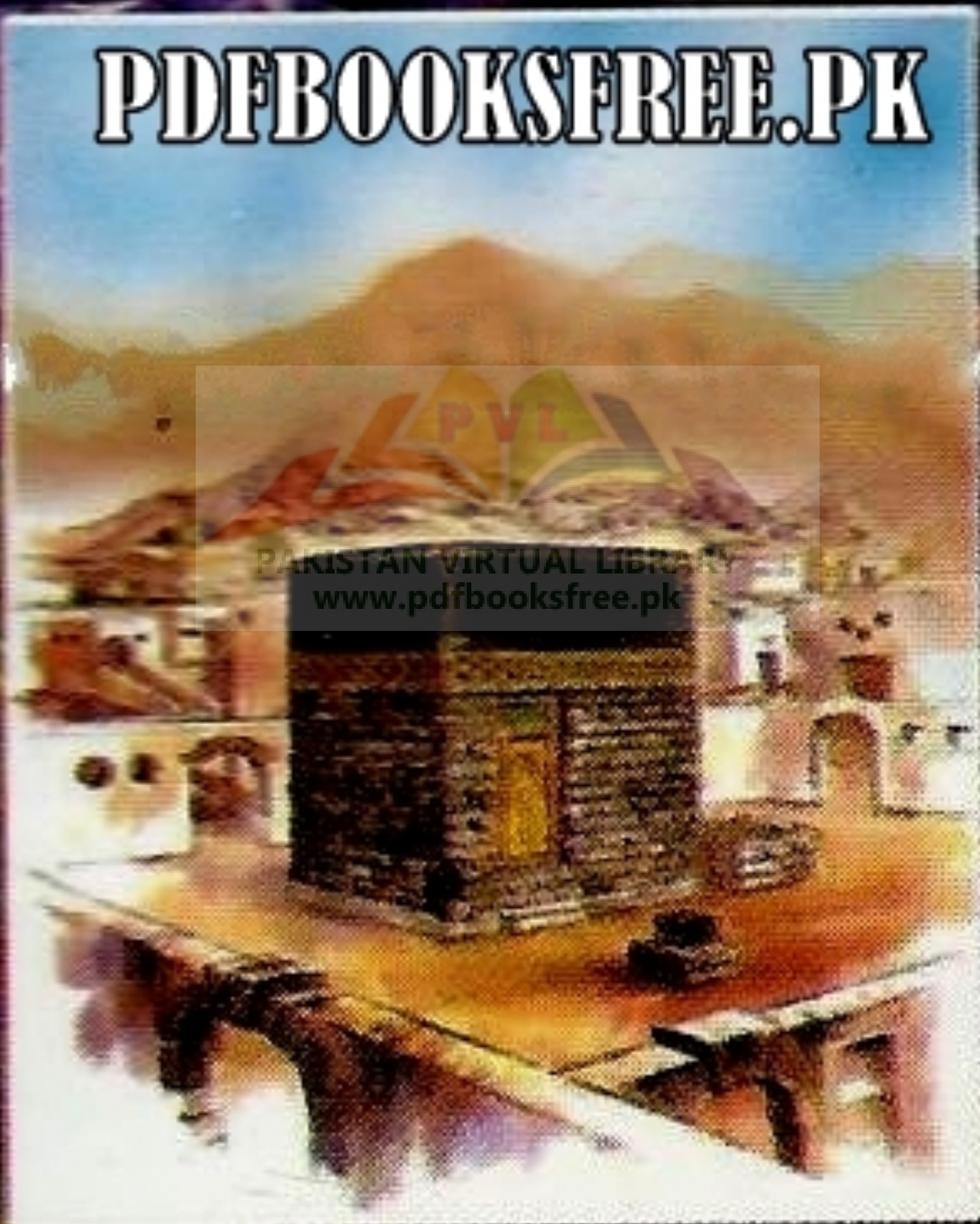
حضرت ابراہیم علیہ السلام



حضرت ابراہیم علیہ السلام

اسلم راہی۔ ایم اے

تاریخ کے اوراق سے مشہور و معروف رہتی دنیا تک قائم رہنے والا ناقابل فراموش مضبوط دل کا انمٹ واقعہ جسے پڑھ کر ایک عام انسان کے جسم و جاں پر سکتہ طاری ہوجاتا ہے کہ موت سامنے کھڑی ہو اور اس کی آنکھ میں دیدہ دلیری سے دیکھنا کہ موت بھی تھرا اٹھے۔ ایسے واقعات یہ سبق دیتے ہیں کہ اللہ کی خوشی میں خوش رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ زندگی اور مرنے کے بعد بھی ہر دلعزیز بنادیتا ہے۔

ایسا واقعہ جس سے ثابت ہوتا ہے اللہ والے اللہ کی خوشی کیلئے اپنی جان نچھاور کردیتے ہیں

آج کرہ ارض پر حجاز کی سرزمین کو تقدس حاصل ہے اور اس کے حسین وجمیل اور عظیم الشان شہر کو مکہ کے نام سے عروس البلاد کہا جاتا ہے کسی وقت وہاں سنگلاخ اور وحشت ناک بیابان تھے لیکن سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دم قدم سے اسے ایسا عظیم الشان رتبہ حاصل ہوا جس پر ہفت افلاک بھی رشک کرتے ہیں۔

علامہ طاہر کردی اس سلسلے کی تصویر کچھ اس طرح کھینچتے ہیں۔

آج سے چار ہزار سال قبل یہ زمین کئی خار دار درختوں سے اٹی پڑی تھی یہاں نہ پانی تھا اور نہ سبزہ اور نہ گھاس پھوس اور نہ جانور، نہ تو انسانوں کے قدم اس زمین سے آشنا تھے اور نہ جن یہاں آباد تھے۔ بلند وبالا پہاڑ ہر جانب ایستادہ تھے آج کے دور کے برعکس مکہ مکرمہ کی زمین بہت بلند تھی کیونکہ بارش کے سیلاب پہاڑوں سے ریت پتھر بہا کر لاتے اور اس نشیبی زمین اور پہاڑیوں کی گھاٹیوں پر مسلسل جمع کرتے رہے علاوہ ازیں جب شہر آباد ہوگیا تو لوگوں نے بھی عمل جاری رکھا پہاڑوں سے پتھر اور مٹی لاکر گڑھے اور نشیبی جگہ کو پر کرتے رہے جس کے باعث بتدریج پہاڑوں کی بلندی کم ہوتی گئی چنانچہ جو پست جگہ تھی وہ بلند ہوتی چلی گئی چنانچہ اس سرزمین کی عظمت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے محترم اور بزرگ نبی حضرت ابراہیم ہی سے شروع ہوئی۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا ذکر پچیس سورہ میں آتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی زندگی کے حالات شروع کرنے سے پہلے ان کا نسب نامہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم کا نسب نامہ توریت میں اس طرح لکھا گیا ہے۔

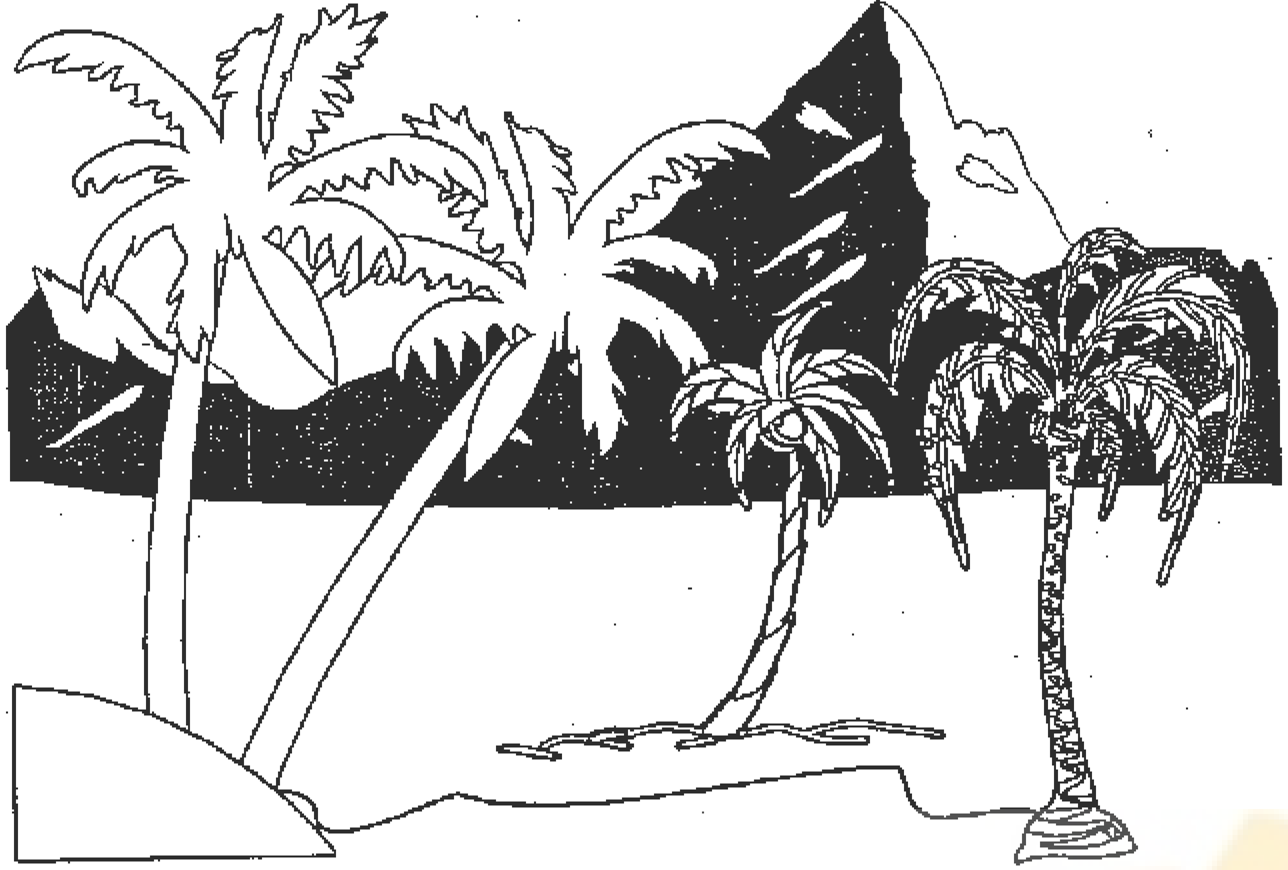
”ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عابر بن شالح بن ارفکشاد بن سام بن نوح“

اس نسب نامے کی تشریح توریت اور تاریخ کے مطابق ہے مگر قرآن مجید نے ان کے والد کا نام آزر بتایا ہے قرآن مجید میں فرمایا۔

”وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا۔ کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے۔“

توریت میں باپ کا نام تارخ جبکہ قرآن مجید میں باپ کا نام آزر لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ علماء اور مفسرین نے اس مسئلے کی تحقیق میں دو آرا اختیار کی ہیں۔

پہلی یہ کہ ایسی صورت کی جائے کہ دونوں ناموں کے درمیان مطابقت ہوجائے اور یہ اختلاف جاتا رہے دوئم یہ کہ تحقیق کے بعد فیصلہ کن بات کہی جائے کہ ان دونوں میں کون صحیح ہے اور کون غلط یا دونوں صحیح ہیں مگر دو جدا



جدا ہستیوں کے نام ہیں۔

پہلے خیال کے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت سے وابستہ ہیں تارخ اصلی نام ہے اور آزر وصفی نام ہے۔

ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ آزر عبرانی زبان میں محب صنم کو کہتے ہیں اور کیونکہ تارخ میں بت تراشی اور بت پرستی دونوں صورتیں موجود تھی اس لیے آزر کے لقب سے مشہور ہوا۔

اور بعض کا گمان ہے کہ آزر کے معنی کم فہم اور بیوقوف کے ہیں اور تارخ میں یہ باتیں موجود تھیں اس لیے اس سے موصوف کیا گیا۔

قرآن مجید نے اسی مشہور وصفی علم کو بیان کیا ہے۔

اور دوسرے خیال کے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آزر اس بت کا نام تھا جس کا تارخ پجاری تھا چنانچہ اسی لیے خدا نے قرآن مجید میں فرمایا۔

”کیا تو آزر کو خدا مانتا ہے یعنی بتوں کو خدا مانتا ہے“

چنانچہ اس گروہ کا یہ کہنا ہے کہ آزر باپ کا نام نہیں بلکہ بت کا نام ہے اور اس طرح قرآن مجید میں اس کے والد کا نام مذکور نہیں۔

ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا اور چچا کا نام آزر اور کیونکہ آزر ہی نے ان کی تربیت کی تھی اور بامنزلہ اولاد کے پالا تھا اس لیے قرآن مجید میں آزر کو باپ کہہ کر پکارا گیا۔

علامہ عبدالوہاب نجار کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں قرین قیاس اور قابل قبول یہ ہے کہ آزر بت کا نام تھا اس لیے کہ مصریوں کے قدیم دیوتاؤں میں سے ایک نام ازریس بھی آتا ہے جس کے معنی خدائے قوی اور معین ہیں اور اصنام پرست کا اقوام کا شروع سے یہ دستور رہا ہے کہ قدیم دیوتاؤں کے نام ہی پر جدید دیوتاؤں کے نام رکھ لیا کرتے تھے۔ اس لیے اس کا نام بھی قدیم مصری دیوتا کے نام پر آزر رکھا گیا ورنہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا۔

لیکن جمہور مؤرخ کہتے ہیں یہ سب تکلفات ہیں اس لیے کہ قرآن مجید نے جب صراحت کے ساتھ آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ کہا ہے تو پھر محض علمائے انساب اور بائبل کے تخمینی قیاسات سے متاثر ہوکر قرآن مجید کی یقینی تعبیر کو مجاز کہنے یا اس سے آگے بڑھ کر خواہ مخواہ قرآن مجید میں نحوی مقدرات ماننے پر کون سی شرعی اور حقیقی ضرورت مجبور کرتی ہے۔

مفسرین مزید لکھتے ہیں کہ بہ سہیل تسلیم اگر آزر عاشق صنم کو کہتے ہیں یا بت کا نام ہے تب بھی بغیر تقدیر کلام اور بغیر کسی تاویل کے یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ ان ہر دو وجہ سے آزر کا نام رکھا گیا جیسا کہ اصنام پرست اقوام کا قدیم سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ کہیں اپنی اولاد کا نام بتوں کا غلام ظاہر کرکے رکھتے تھے اور کبھی خود بت کے نام سے ہی رکھ دیا کرتے تھے۔

نیز جس مقدس انسان یعنی حضرت ابراہیم کی اخلاقی بلندی کا یہ عالم ہو کہ جب بت پرستی کی مذمت کے سلسلے میں آزر سے مناظرہ ہوگیا اور آزر نے زچ ہوکر آپ کو مخاطب کرکے کہا:

”اے ابراہیم کیا تو میرے خداؤں سے بےزار ہے تو اگر اس حرکت سے باز نہ آیا تو میں ضرور تجھ کو سنگسار کروںگا اور جا میرے سامنے سے دور ہو جا۔“

تو اس سخت گیر اور دل آزار گفتگو کے موقع پر بھی آپ نے پدری رشتہ کی بزرگی کا احترام کیا اور جواب میں صرف اتنا فرمایا:

”تجھ پر سلامتی ہو عنقریب تیرے لیے اپنے پروردگار سے بخشش چاہوںگا بلاشبہ وہ میرے ساتھ بڑا مہربان ہے۔“

اس ہستی سے یہ کیسے توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے باپ آزر کو بیوقوف اور اس قسم کے توہین آمیز الفاظ کے ساتھ خطاب کرے۔

پس بلاشبہ تارخ کا تارح آزر ہی ہے اور وہ حضرت ابراہیم کا باپ ہی تھا اور تارخ غلط نام ہے یا آزر کا ترجمہ ہے جو توریت کے دوسرے علوم کی طرح ترجمہ نہ رہا بلکہ اصل بن گیا۔

حضرت ابراہیم کے باپ کے سلسلے میں جو اختلاف توریت اور قرآن مجید میں ہے اس کو بنیاد بنا کر بہت سے مغربی مؤرخین نے مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بننے کی بھی کوشش کی ہے سب سے پہلے سترھویں صدی کا ایک عیسائی عالم ہمارے سامنے آتا ہے اس کا نام مراتشی تھا اس نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور قرآن مجید پر نہایت رکیک اور متعصبانہ حملے کیے ہیں اس نے اس موقعے پر بھی عادت کے مطابق ایک مہمل اور لچر اعتراض کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ یوزبیوس کی تاریخ کلیسا کی ایک عبارت میں یہ لفظ آیا ہے جس کو غلط تلفظ کے ساتھ قرآن مجید سے ملا دیا۔

لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ مراتشی اپنے اس دعوے کے ثبوت میں تاریخ کلیسا کی نہ وہ عبارت پیش کرتا ہے جس سے یہ لفظ ماخوذ کیا گیا ہے اور نہ اصل لفظ کا پتا دیتا ہے کہ اس سے یہ غلط لفظ بنا لیا گیا اور نہ ہی یہ بتلاتا ہے کہ آخر حضور پاک کو اس نقل کی کیا ضرورت پیش آئی تھی اس لیے یہ قطعاً بےدلیل اور بےسروپا بات ہے جو محض تعصب اور جاہلیت کی وجہ سے کہی گئی اور حق یہی ہے جو قرآن مقدس نے فرمایا۔

دوسرا شخص جس نے اعتراض کھڑا کیا وہ اسپرنگر ہے دائرہ معارف اسلامیہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے اسپرنگر نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن مجید میں ایک عرصے تک حضرت ابراہیم کی شخصیت کعبہ کے بانی اور دینِ حنیفیہ کے ہادی کی حیثیت سے روشنی میں نہیں آئی البتہ عرصہ دراز کے بعد ان کی شخصیت کو اُن صفات کے ساتھ متصف ظاہر کیا گیا ہے اور اُن کی ذات کی خاص اہمیت نظر آتی ہے۔ چونکہ یہ دعویٰ اپنی اجمالی تعبیر کے لحاظ سے ابھی تشنہ تکمیل تھا اس لیے ایک طویل زمانے کے بعد ایک شخص سنوگ نے بڑے شرح اور بسط کے ساتھ پیش کیا اور اُس نے کہا:

قرآن پاک میں جس قدر مکی آیات اور سورتیں ہیں ان میں سے کسی ایک مقام پر بھی حضرت اسماعیل کا حضرت ابراہیم کے ساتھ رشتہ نظر نہیں آتا نہ ہی ان کو اول مسلمین بتایا گیا ہے بلکہ وہ صرف ایک نبی اور پیغمبر کی حیثیت میں نظر آتے ہیں اُن کے تذکرے کی ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی جو اُن کو مؤسس کعبہ حضرت اسماعیل کا باپ، عرب کا پیغمبر، ہادی اور ملت حنفی کا داعی ظاہر کرتی ہو آگے یہی مزید لکھتا ہے کہ البتہ جب حضور کی مدنی زندگی شروع ہوتی ہے تو مدنی سورتوں میں حضرت ابراہیم کے ذکر کے وقت یہ تمام خصوصیت نمایاں کی جاتی ہیں اور اہمیت کے ساتھ روشنی میں لائی جاتی ہیں ایسا کیوں ہوا اور یہ

اختلاف کیوں موجود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مکی زندگی میں حضور اکرم ﷺ اپنے تمام امور میں یہود پر اعتماد رکھتے اور اُنھیں کے طریقوں کو پسند فرماتے تھے لہٰذا اُس وقت تک ابراہیم کی شخصیت کو انھوں نے اس نظر سے دیکھا جس نظر سے یہود دیکھتے لیکن مدینہ پہنچ کر حضور اکرم ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو یہودیوں نے قبول کرنے سے انکار کردیا اور وہ آپؐ کے دشمن ہوگئے۔

اب حضور اکرم ﷺ نے فکر تامل کیا اور خوب سوچا۔ آخر ان کی ذکاوت اور جودت طبع نے راہنمائی کی اور انھوں نے عرب کے یہود کی یہودیت سے جدا ایک ایسے دین کی بنیاد ڈالی جس کو یہودیت ابراہیمی کہنا چاہیے لہٰذا اس سلسلے کی تکمیل کے لیے قرآن پاک کی مدنی سورتوں میں حضرت ابراہیم کی شخصیت کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ ملت حنفی کے داعی عرب کے پیغمبر حضرت اسماعیل کے والد کعبہ کے مؤسس نظر آتے ہیں۔

یہ دعویٰ جو اسپرنگر کے علاوہ سنوک جیسے اسلام دشمن مستشرقین کی جانب سے محض اس لیے اختراع کیا گیا ہے کہ اس قسم کی لچر بنیادوں پر مسیحیت کی برتری اور اسلام کی تحقیر کی عمارت تیار ہوسکے اور نیز یہ کہ ابراہیم کے متعلق یہ ثابت کیا جائے کہ اُن کا عرب کے ساتھ نہ نسلی تعلق تھا اور نہ ہی دینی۔

لیکن جب ایک مؤرخ اور ایک نقاد مستشرقین کے اس دعوے اور دعوے کے دلائل کو صرف تاریخی اور تنقیدی حیثیت سے دیکھتا ہے تب بھی اُس کو یہ صاف نظر آتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے حقائق اور واقعات سے قصداً چشم پوشی کرکے محض عداوت اور بغض اور عناد کی راہ سے بےدلیل کرکے کہا گیا۔

اس لیے کہ اس سلسلے میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ مکی سورتوں میں حضرت ابراہیم کے متعلق وہ اوصاف نظر نہیں آتے جو مدنی آیات میں پائے جاتے ہیں۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سراسر غلط بلکہ قصد ارادے کے ساتھ علمی بددیانتی ہے کہ مکی سورتوں میں صرف انھیں کا حوالہ دیا گیا جن میں حضرت ابراہیم کو فقط ایک پیغمبر کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ پھر وہ مکی سورت جو ابراہیم کی شخصیت کو ہمہ حیثیت سے نمایاں کرا کے ان کے نام ہی سے معنون کرکے نازل کی گئی ہے یعنی سورۂ ابراہیم اس کو اہل یورپ نظرانداز کرجاتے ہیں تاکہ قرآن مجید سے براہِ راست فائدہ نہ اٹھا سکنے والے حضرات کے سامنے جہالت کا پردہ پڑا رہے اور اُن کی کورانہ تقلید میں وہ اُن کے غلط دعوے کو صحیح سمجھتے رہیں۔

سورہ ابراہیم مکی ہے اس کی آیات کا نزول ہجرت سے قبل مکہ میں ہی ہوا اور وہ حسب ذیل حقائق کا اعلان کرتی ہے:

حضرت ابراہیم عرب یعنی حجاز کے اندر قیام پذیر ہیں اور خدا کے رسول کی حیثیت سے خود کو اور اپنی اولاد کو بت پرستی سے بچنے اور اُس مقام کو امن عالم کا مرکز بنانے کی دعا کرتے ہیں دعا کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

”اے پروردگار، اس شہر مکہ کو امن کا مرکز بنا اور مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے دور رکھ، اے پروردگار، بلاشبہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا پس جو شخص میری پیروی کرے وہ میری جماعت میں سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے پس بلاشبہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

حضرت ابراہیم اقرار کرتے ہیں کہ سرزمین حجاز جو عرب کا قلب ہے اُنھیں کی اولاد سے آباد ہوئی اور اُنھوں نے ہی اس کو بسایا اور وہی اس چٹیل میدان میں بیت الحرام یعنی کعبہ کے مؤسس ہیں اس سلسلے میں آپ کی دوسری دعا قابلِ غور ہے آپ نے فرمایا:

”اے ہمارے پروردگار بےشک میں نے اپنی بعض ذریت کو اس بن کھیتی کی سرزمین میں تیرے گھر کعبہ کے نزدیک آباد کیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار یہ اس لیے تاکہ وہ نماز قائم کریں پس تو لوگوں میں سے کچھ کے دل اس طرف پھیر دے کہ وہ اس کعبہ کی بدولت ان کی جانب مائل ہوں اور اُن کو پھلوں سے رزق عطا کرتا کہ یہ شکرگزار بنیں۔“

حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کے والد ہیں اور یہی حضرت اسماعیل اہل عرب کے باپ ہیں اور حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لیے ملتِ حنفی کے صلوٰۃ کی اقامت کی دعا بھی کی جو درج ذیل ہے:

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے بڑھاپے میں مجھ کو اسماعیل اور اسحاق بخشا بلاشبہ میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے۔ اے پروردگار مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے اے ہمارے پروردگار ہماری دعا سن، اے ہمارے پروردگار تو مجھ کو اور میرے والدین کو اور کل مومنوں کو قیام حساب یعنی قیامت کے روز بخش دے۔"

ان آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا ایک لمحے کے لیے بھی کسی شخص کو یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ ان لغو اور بے سروپا دعووں کی تصدیق کرے جن کو مستشرقین یورپ نے اپنی جہالت اور دانستہ جھوٹ کے ساتھ علمی تنقید کا عنوان دیا ہے کیا یہ آیات مکی نہیں اور ان سے وہ سب کچھ ثابت نہیں ہوتا جو مدنی آیات میں مذکور ہے۔

اس طرح سورہ ابراہیم کے علاوہ سورہ انعام اور سورۃ النحل بھی مکی سورتیں ہیں ان میں بصراحت موجود ہے کہ حضرت ابراہیم شرک کے مقابلے میں ملتِ حنفی کے داعی رہے اور ان کی شخصیت اس دعوت میں بہت نمایاں اور ممتاز تھی۔

جیسا کہ کہا گیا:

"بلاشبہ میں اپنے چہرے کو اُس ذات کی طرف جھکاتا ہوں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہیں۔"

"کہہ دو بلاشبہ مجھ کو میرے رب نے سیدھی راہ کی ہدایت کی ہے جو کج راہ سے الگ، صاف اور سیدھا پن ہے ملت ہے ابراہیم کی جو ایک خدا کی طرف جھکنے والے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔"

"بے شک ابراہیم راہ ڈالنے والا اور حکم بردار تھا صرف ایک خدا کی طرف جھکنے والا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا پھر وحی کی ہم نے تیری جانب اے محمد اس بات کی کہ تو پیروی کرے اُس ابراہیم کی ملت کی جو صرف خدائے واحد کی جانب جھکنے والا ہے اور مشرکوں میں سے نہیں۔"

مغرب کے مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ابراہیم اور اسماعیل عرب کے پیغمبر ہوتے تو قرآن مجید امت عربیہ کے متعلق حضور اکرم ﷺ کو اس طرح مخاطب نہ کرتے جس طرح کیا ہے۔

جواب میں مسلمان علماء کا یہ کہنا ہے کہ یہ بھی ایک سخت مغالطہ ہے جو قرآن پاک کے طرز خطابت اور اسلوب بیان اور باطل پرستوں کی باطل پرستی کے خلاف دلائل کی ترتیب سے ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہوا ہے یا گزشتہ اعتراضات کی طرح محض بغض و عناد کی خاطر اختیار کیا گیا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ عرب کا بہت بڑا حصہ بت پرستی میں مبتلا تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے عقائد اور دین کے نام سے کچھ احکام مرتب کر رکھے تھے مثلاً دیوتاؤں کی نذر اور قربانی کے لیے سائبہ، بحیرہ اور وصیلہ کی ایجاد اور مختلف بتوں کی پرستش کے قواعد اور ضوابط وغیرہ۔

اس لیے حضور نبی کریم ﷺ نے جب ان کو توحید اور اسلام کی دعوت دی شرک اور بت پرستی سے روکا تو وہ کہنے لگے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ہم بے دین ہیں اور ہمارا کوئی الہامی دین نہیں ہے غلط ہے ہم تو خود مستقل دین رکھتے ہیں اور وہ ہمارے باپ دادا کا قدیمی دین ہے۔

اس جواب میں پھر قرآن پاک نے ان کے باطل عقائد کی حقیقت کو ان پر واضح کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ان کو بتایا جائے کہ کسی دین کے خدائی دین کے ہونے کے لیے دو قسم کی دلائل ہوسکتے ہیں یا حسی اور عقلی، ان سے یہ واضح ہوجائے کہ یہ خدا کا دین ہے اور اس کا مرغوب مذہب ہے اور یہ نقلی روایات سے اس کا قطعی یقینی اور ناقابل انکار ثبوت پیش کرتی ہو کہ یہ خدا کی بھیجی ہوئی شریعت ہے اگر یہ دونوں راہیں کسی دعوے کے لیے بند ہیں تو وہ دعویٰ باطل اور اس کا مدعی کاذب ہے۔

لہٰذا قرآن پاک نے مشرکین کے اس دعوے کی تردید کے لیے آیات قرآنی کے تین حصے کردیئے۔ ایک

حصے میں ان کے اس دعوے کا انکار اور دعوے کی غیر معقولیت کا اظہار کیا اور بتایا کہ مشرکین کا یہ کہنا کہ ہم کو خدا نے ایسا ہی یعنی شرک کرنے کا حکم دیا بالکل غلط اور سراسر باطل ہے اس لیے خدا نے فرمایا۔

"بلاشبہ اللہ بے ہودہ خرافات کا حکم نہیں دیا کرتا اے مشرکین کیا تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔"

چنانچہ مغربی مورخین کا یہ کہنا کہ مشرکین عرب کے پاس حضور اکرم ﷺ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا اور سرزمین عرب یعنی حجاز ہمیشہ خدا کے نبی اور پیغمبر کے وجود سے محروم رہے اور اس ملک میں محمد ﷺ کی آواز سب سے پہلی آواز ہے۔

چنانچہ قرآن مجید ایسی خلاف حقیقت بات کس طرح کہہ سکتا ہے جبکہ سورہ ابراہیم، سورہ انعام اور سورہ النحل میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے نبی ہونے کی صاف اور صریح شہادتیں موجود ہیں بلاشبہ قرآن مجید اس قسم کے تضاد اختلاف سے قطعی بری ہے کہ ایک جگہ وہ ایک بات کا انکار کرے اور دوسری جگہ اس بات کا اقرار اس لیے کہ وہ خدا عالم الغیب والشہادت کا کلام ہے نہ کہ بھول چوک کرنے والے انسان کا۔

☆-----☆-----☆

حضرت ابراہیم کی اس عظمت کے پیش نظر جو انبیاء اور رسل کے درمیان ان کو حاصل ہے قرآن پاک کے ان واقعات کو مختلف اسلوب کے ساتھ جگہ جگہ بیان کیا ہے ایک مقام پر اگر اختصار کے ساتھ ذکر ہے تو دوسری جگہ تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے اور بعض جگہ مختلف اوصاف کے پیش نظر ان کی شخصیت کو نمایاں کیا گیا ہے اس لیے مناسب ترتیب کے ساتھ ان کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک توریت کا تعلق ہے تو وہ بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیم عراق کے شہر ار کے باشندے اور اہل فدان میں سے تھے اور ان کی قوم بت پرست تھی اور انجیل برنا باس میں تصریح ہے کہ ان کے والد نجاری کا پیشہ کرتے تھے اور اپنی قوم کو مختلف قبائل کے لیے لکڑی کے بت بناتے اور فروخت کیا کرتے تھے۔

مگر خدا نے حضرت ابراہیم کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی اور یہ یقین رکھتے تھے کہ بت نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کا ان سے کوئی واسطہ اور لکڑی کے کھلونوں اور دوسری بنی ہوئی چیزوں کے اور ان کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز ہے۔

وہ صبح شام آنکھ سے دیکھتے تھے کہ ان بے جان مورتیوں کو میرا باپ اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے اور گھڑتا رہتا ہے اور جس طرح اس کا جی چاہتا ہے ناک، کان، آنکھیں اور جسم تراش لیتا ہے اور خریدنے والوں کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے تو کیا یہ خدا ہوسکتے ہیں یا خدا کے مثل اور ہمسر کہے جاسکتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا۔

"یہ مجسمے کیا ہیں جنہیں تم لیے بیٹھے ہو" جواب میں کہنے لگے "ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے پایا ہے" چنانچہ حضرت ابراہیم نے کہا۔ "بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہیں۔" چنانچہ انہوں نے جواب دیا۔ "کیا تو ہمارے لیے کوئی حق لایا ہے یا یونہی مذاق کرنے والے کی طرح کہتا ہے۔" حضرت ابراہیم نے جواب میں کہا۔ "یہ بت تمہارے رب نہیں ہیں بلکہ تمہارا پروردگار زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔"

اور جب اس جلیل القدر نبی یعنی حضرت ابراہیم پر اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور عطاء و نوال کا فیضان نہایت سرعت کے ساتھ ہو رہا تھا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے انبیاء اکرام کی صف میں آپ کو نمایاں جگہ دی اور ان کی دعوت اور تبلیغ کا محور اور مرکز کو دین حنیف قرار دیا۔

حضرت ابراہیم نے جب دیکھا قوم بت پرستی، ستارہ پرستی اور مظاہر پرستی میں اس قدر منہمک ہے کہ خدائے برتر کی قدرت مطلقہ اور اس کی احدیت وصمدیت کا تصور بھی ان کے قلوب میں باقی نہیں رہا اور ان کے

لیے خدا کی وحدانیت کے عقیدہ سے زیادہ کوئی اچنبھے کی بات نہ رہی تب آپ نے کمر ہمت چست کی اور ذات واحد کے بھروسے پر ان کے سامنے دین حق کا پیغام رکھا اور اعلان کیا۔

”اے قوم یہ کیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش میں مشغول ہو کیا تم اس قدر خواب غفلت میں ہو کہ اس بے جان لکڑی کو اپنے آلات سے گڑھ کر مجسمے تیار کرتے ہو اگر وہ مرضی کے مطابق نہ بنیں تو ان کو توڑ کر دوسرے بنا لیتے ہو، بنا لینے کے بعد انہیں کو پوجنے اور نفع و ضرر کا مالک سمجھنے لگتے ہو، تم ان خرافات سے باز آؤ، خدا کی توحید کے نغمے گاؤ اور اسی مالک حقیقی کے سامنے اپنا سر جھکاؤ جو میرا، تمہارا اور کل کائنات کا خالق اور مالک ہے۔“

مگر قوم نے ان کی آواز پر مطلق کان نہ دھرا کیونکہ گوش حق نیوش اور نگاہ حق بین سے محروم تھی اس لیے اس نے جلیل القدر پیغمبر کی دعوت حق کا مذاق اڑایا اور زیادہ سے زیادہ تمرد اور سرکشی کا مظاہرہ کیا۔

جہاں تک حضرت ابراہیم کی پیدائش اور ان کے مذہبی، معاشرتی اور تمدنی رجحانات کا ذکر ہے تو کہا جاتا ہے کہ 2100 قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں جسے اب عام طور پر محققین حضرت ابراہیم کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں آپ شہر ”ار“ میں پیدا ہوئے شہر ”ار“ کی آبادی ان دنوں ڈھائی سے پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ بڑا صنعتی اور تجارتی مرکز تھا ایک طرف پامیر اور نیل گری تک وہاں سے مال آتا جاتا تھا دوسری طرف اناطولیہ تک اس کے تجارتی تعلقات تھے جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اس کی حدود موجودہ حکومت عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھی۔

ملک کی بیشتر آبادی صنعت اور تجارت پیشہ تھی اس عہد کی جو تحریریں آثار قدیمہ کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطہ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا ان سب کا بڑا مقصد حیات تھا۔

سود خوری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی سخت کاروباری قسم کے لوگ تھے ہر ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور آپس میں بہت مقدمہ بازیاں ہوتی تھیں اپنے خداؤں سے ان کی دعائیں زیادہ تر درازی عمر، خوشحالی اور کاروبار کی ترقی سے متعلق ہوا کرتی تھیں آپ جس سرزمین میں پیدا ہوئے وہاں معاشرہ تین طبقوں پر مشتمل تھا۔

پہلے طبقے کو عمیلو کہتے تھے یہ اونچے طبقے کے لوگ تھے جن میں پجاری حکومت کے عہدے دار اور لشکر کے سالار وغیرہ شامل ہوا کرتے تھے۔

دوسرا طبقہ مشکینو کہلاتا تھا اس میں تاجر، اہل صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔

اور تیسرے طبقے کو اردو کے نام سے پکارا جاتا تھا جس میں غلام ہوا کرتے تھے۔

ان میں پہلا طبقہ یعنی عمیلو کو خاص اختیارات حاصل تھے ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے ان کی جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھیں۔

یہ شہر اور معاشرہ تھا جس میں حضرت ابراہیم نے آنکھیں کھولیں ان کا اور ان کے خاندان کا جو حال یہودیوں کی کتاب تلمود میں ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمیلو طبقہ کے ایک فرد تھے اور ان کا باپ ریاست کا سب سے بڑا عہدہ دار تھا۔

ار کے کتبات میں تقریباً پانچ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جسے رب البلد مہا دیوتا رئیس الٰہہ سمجھا جاتا تھا اور اس کا احترام دوسرے معبودوں سے زیادہ ہوتا تھا۔

ار شہر کا رب البلد ننار یعنی چاند دیوتا تھا اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام قمرینہ بھی لکھا ہے دوسرا شہر رسا تھا جو بعد میں ار کے بجائے مرکز سلطنت ہوا اس کا رب البلد شماش یعنی سورج دیوتا تھا ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی ستاروں اور سیاروں میں اور کم تر زمین سے منتخب کیے گئے تھے۔

وہ لوگ اپنی مختلف فروعی ضروریات ان سے متعلق

سمجھتے تھے ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہہ بتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادت انہیں کے آگے بجا لاتے تھے۔

ننار دیوتا کا بت ار میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالیشان عمارت میں نصب تھا اس کے قریب ننار کی بیوی ننگل کا معبد تھا ننار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پجارن جا کر اس کی دلہن بنتی تھی مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف ہوتی تھیں ان کی حیثیت دیوداسیوں کی سی تھی۔

وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو خدا کے نام پر اپنی آبرو قربان کر دے کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو راہ خدا میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کا ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا اب یہ بیان کرنا کوئی ضروری نہیں کہ اس مذہبی فحبہ سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پجاری حضرات ہی ہوا کرتے تھے۔

ننار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمین دار سب سے بڑا تاجر سب سے بڑا کارخانے دار ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔

بکثرت باغ، مکانات، زمینیں اس کے مندر کے لیے وقف تھیں اس جائیداد کی آمدنی کے علاوہ کسان زمین دار سب ہر قسم کے غلے، دودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لا کر مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنہیں وصول کرنے کے لیے مندر میں ایک خاصا بڑا عملہ موجود تھا بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔

تجارتی کاروبار بھی بڑے پیمانے پر مندر کی طرف سے ہوتا تھا یہ سب کام دیوتا کی نیابت میں پجاری ہی انجام دیتے تھے پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی پجاری ہی انجام دیتے تھے ان کے فیصلے خدا کے فیصلے سمجھے جاتے تھے خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی ننار سے ہی ماخوذ تھی اصل بادشاہ ننار تھا اور فرمانروائے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداؤں کے مانند اس کی بھی پرستش کی جاتی تھی۔

ار کا خاندان جو حضرت ابراہیم کے زمانے میں حکمران تھا اس کے بانی اول کا نام ار نمو تھا جس نے 2300 قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی اس کی حدود مملکت مشرق میں سوسا سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسی سے اس خاندان کو نمو کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرود ہو گیا۔

حضرت ابراہیم کی ہجرت کے بعد اس خاندان اور قوم پر مسلسل تباہی نازل ہونی شروع ہوئی پہلے عیلامیوں نے ار کو تباہ کیا اور نمرود کے ننار کے بت سمیت پکڑ لیے گئے پھر رسا میں ایک عیلامی حکومت قائم ہوئی جس کے ماتحت ار کا علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا آخر کار ایک عربی النسل خاندان کے ماتحت بابل نے زور پکڑا رسا اور ار دونوں اس کے زیر حکم ہو گئے ان تباہیوں نے ننار کیساتھ ار کے لوگوں کا عقیدہ متزلزل کر دیا کیونکہ وہ ان کی حفاظت نہ کر سکا تھا۔

تعین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ بعد کے ادوار میں حضرت ابراہیم کی تعلیمات کا اثر ان لوگوں نے کہاں تک قبول کیا لیکن 1910 قبل مسیح بابل کے بادشاہ حمورابی جس کا نام اسرائیل ہی لکھا گیا ہے اس نے جو قوانین مرتب کیے تھے وہ شہادت دیتے ہیں کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی تدوین میں مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کی ہوئی روشنی کسی حد تک ضرور کارفرما تھی۔

ان قوانین کا مفصل کتبہ 1902ء میں ایک فرانسی آثار قدیمہ کے ماہر کو ملا اس کا انگریزی ترجمہ 1903ء میں دا اولڈسٹ کوڈ آف لا کے نام سے شائع ہوا اس ضابطہ قوانین کے بہت سے اصول موسوی شریعت سے مشابہت رکھتے ہیں۔

یہ اب تک کی عصری تحقیقات کے نتائج اگر صحیح ہیں تو ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی قوم میں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بت پرستانہ عبادات کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ اس قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام اسی عقیدے پر مبنی تھا اس کے مقابلے میں حضرت ابراہیم جو توحید کی دعوت لے کر اٹھے تھے اس کا اثر صرف بتوں کی پرستش پر ہی نہ پڑتا تھا بلکہ

شاہی خاندان کی معبودیت اور حاکمیت پجاریوں اور اونچے طبقے کی معاشی اور سیاسی حیثیت اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آجاتی تھی ان کی دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیڑ ڈالی جائے اور اسے از سرنو توحید الٰہی کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے اسی لیے حضرت ابراہیم کی آواز بلند ہوتے ہی عوام اور خواص پجاری اور نمرود سب کے سب بیک وقت آپ کی آواز کو دبانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

حضرت ابراہیم کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا تھا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا وہ خود اللہ کے مطیع تھے اس کے دیئے ہوئے علم کی پیروی کرتے تھے دنیا میں اس علم کو پھیلاتے اور کوشش کرتے تھے کہ سب مالک کائنات کے مطیع ہو کر رہیں یہی خدمت تھی جس کے لیے وہ دنیا کے امام اور پیشوا بنائے گئے تھے اس کے بعد یہ امامت کا منصب ان کی نسل کی اس شاخ کو ملا جو حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی اس میں انبیاء پیدا ہوتے رہے اس کو راہ راست کا علم دیا گیا اس کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ اس راہ راست کی طرف اقوام عالم کی راہنمائی کرے یہی وہ نعمت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے بار بار اس نسل کے لوگوں کو یاد دلایا ہے۔

☆......☆......☆

حضرت ابراہیم نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے گرد وپیش ہر طرف چاند سورج اور ستاروں کی خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے اس لیے قدرتی طور پر حضرت ابراہیم کی جستجو حقیقت کا آغاز اس سوال سے ہونا چاہیے تھا کہ کیا فی واقعہ ان میں سے کوئی رب ہو سکتا ہے اس مرکزی سوال پر انہوں نے غور و فکر کیا اور آخرکار اپنی قوم کے سارے خداؤں کو ایک اٹل قانون کے تحت غلاموں کی طرح گردش کرتے دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ جن کے رب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان کے اندر الوہیت کا شائبہ تک نہیں ہے رب صرف وہی ایک ہے جس نے سب کو پیدا کیا اور بندگی پر معمور کیا۔

حضرت ابراہیم سے متعلق ارشاد ہوا کہ جب رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا جب وہ ڈوب گیا کہ پھر چاند دیکھا وہ ڈوب گیا، پھر سورج دیکھا جب وہ بھی ڈوب گیا یہ کہا کہ ”یہ خدا نہیں ہو سکتے۔“

اس پر ایک ناظر کے ذہن میں فوراً یہ سوال کھٹکتا ہے کہ کیا بچپن سے آنکھ کھولتے ہی روزانہ حضرت ابراہیم پر رات طاری نہ ہوتی رہی تھی اور کیا وہ ہر روز چاند، تاروں اور سورج کو طلوع اور غروب ہوتے نہ دیکھتے تھے ظاہر ہے یہ غور و فکر تو انہوں نے سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد ہی کیا ہوگا۔

پھر یہ قصہ یوں کیوں بیان کیا گیا ہے کہ جب رات ہوئی یہ دیکھا اور دن ہوا تو یہ دیکھا گویا اس خاص واقعہ سے پہلے انہیں یہ چیزیں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا حالانکہ ایسا ہونا صریحاً بعید از عقل ہے۔

یہ شبہ بعض لوگوں کے لئے اس قدر ناقابل حل بن گیا کہ اسے دفع کرنے کی ضرورت نہیں اس کے صورت نظر نہ آئی کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش اور پرورش کے متعلق ایک معمولی قصہ تصنیف کردیا چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش اور پرورش ایک غار میں ہوئی تھی یہاں سن رشد تک پہنچنے تک وہ چاند تاروں اور سورج کے مشاہدے سے محروم رکھے گئے تھے حالانکہ بات بالکل صاف ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے اس نوعیت کی کسی داستان کی ضرورت نہیں ہے نیوٹن کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے باغ میں ایک سیب کو درخت سے گرتے دیکھا اور اس کا ذہن اچانک اس سوال کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اشیاء آخر زمین پر ہی کیوں گرا کرتی ہیں یہاں تک کہ غور کرتے کرتے وہ قانون جذب و کشش تک پہنچ گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس واقعے سے پہلے نیوٹن نے کبھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہیں دیکھی تھی ظاہر ہے ضرور دیکھی ہوگی اور بارہا دیکھی ہوگی پھر کیا وجہ ہے کہ اسی خاص تاریخ کو سیب گرنے کے مشاہدے سے نیوٹن کے ذہن میں وہ حرکت پیدا ہوئی جو اس سے پہلے روزمرہ کے ایسے سینکڑوں مشاہدات سے نہ ہوئی تھی۔

اس کا جواب اگر ہو سکتا ہے تو یہی کہ غور و فکر کرنے

والا ذہن ہمیشہ ایک طرح کے مشاہدات سے ایک ہی طرح متاثر نہیں ہوسکتا بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے اور اس کے ذہن میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی مگر ایک وقت اس چیز کو دیکھ کر یکایک ذہن میں ایک کھٹک پیدا ہو جاتی ہے جس سے فکر کی قوتیں ایک خاص مضمون کی طرف کام کرنے لگتی ہیں یا پہلے سے کسی سوال کی تحقیق میں الجھ رہا ہوتا ہے اور یکایک روزمرہ کے مشاہدات میں کسی ایک چیز پر نظر پڑتے ہی گتھی کا وہ دوسرا سرا الگ ہو جاتا ہے جس سے ساری الجھنیں سلجھتی چلی جاتی ہیں۔

ایسا ہی معاملہ حضرت ابراہیم کے ساتھ بھی پیش آیا راتیں روز آتی تھیں اور گزر جاتی تھیں سورج، چاند، تارے سب ہی آنکھوں کے سامنے ڈوبتے اور ابھرتے تھے لیکن وہ ایک خاص دن تھا جب ایک تارے کے مشاہدے نے ان کے ذہن کو اس راہ پر ڈال دیا جس سے وہ بلا آخر توحید الٰہی کی مرکزی حقیقت تک پہنچ کر رہے ممکن ہے حضرت ابراہیم کا ذہن پہلے سے اس سوال پر غور کر رہا ہو کہ جن عقائد پر ساری قوم کا نظام زندگی چل رہا ہے ان میں کس حد تک صداقت ہے اور پھر ایک تارا یکایک سامنے آکر کشود کار کے لیے قلید بن گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تارے کے مشاہدے سے ذہنی حرکت کی ابتداء ہوئی ہو۔

اس سلسلے میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب حضرت ابراہیم نے تارے کو دیکھ کر کہا یہ تو میرا رب ہے اور جب چاند اور سورج کو دیکھ کر انہیں اپنا رب کہا تو کیا اس وقت عارضی طور پر ہی سہی وہ شرک میں مبتلا نہ ہو گئے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ ایک طالب حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے ہوئے بیچ کی جن منزلوں پر غور اور فکر کے لیے ٹھہرتا ہے اصل اعتبار ان منزلوں کا نہیں ہوتا بلکہ اصل اعتبار اس سمت کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدمی کر رہا ہے اور اس آخری مقام کا ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے بیچ کی منزلیں ہر جویائے حق کے لیے ناگزیر ہیں ان پر ٹھہرنا بسلسلہ طلب جستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورت فیصلہ۔

اصلاً یہ ٹھہراؤ سوالی و استفہامی ہوا کرتا ہے نہ کہ حکم طالب جب ان میں سے کسی منزل پر رک کر کہتا ہے کہ ایسا ہے تو دراصل یہ اس کی آخری رائے نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا ہے اور تحقیق سے اس کا جواب نفی میں پا کر وہ آگے بڑھ جاتا ہے اس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اثنائے راہ میں جہاں جہاں وہ ٹھہرتا رہا ہے وہاں وہ عارضی طور پر کفر یا شرک میں مبتلا ہوتا رہا۔

چنانچہ تاروں بھری رات میں حضرت ابراہیم نے ایک تارہ دیکھا جو خوب روشن تھا تب حضرت ابراہیم نے اس کو دیکھ کر فرمایا میرا رب یہ ہے اس لیے کہ اگر ستارے ربوبیت کر سکتے ہیں تو یہ ان سب میں ممتاز اور روشن ہے۔

لیکن جب وہ اپنے وقت مقررہ پر نظر سے اوجھل ہو گیا اور اس کو مجال نہ ہوئی کہ اپنے پرستاروں کے لیے ایک گھڑی اور رہنمائی کر سکتا اور نظام کائنات منحرف ہو کر اپنے پوجنے والے کے لیے زیارت گاہ بنا رہتا تب حضرت ابراہیم نے فرمایا۔

میں چھپ جانے والے کو رب نہیں مانتا یعنی جس شے پر مجھ سے زیادہ تغیرات کا اثر پڑتا ہے اور جو جلد از جلد ان اثرات کو قبول کر لیتا ہے میرا معبود کیوں کر ہو سکتا ہے۔

پھر نگاہ اٹھائی تو دیکھا چاند آب و تاب کے ساتھ سامنے موجود ہے اس کو دیکھ کر فرمایا یہی میرا رب ہے۔

اس لیے کہ یہ خوب روشن ہے اپنی خنک روشنی سے سارے عالم کو بقعہ نور بنائے ہوئے ہے پس کواکب کو اگر رب بنانا بھی ہے تو اسی کو کیوں نہ بنایا جائے کیونکہ یہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔

اب سحر کا وقت ہونے لگا تو چاند کے ماند پڑ جانے اور روپوش ہونے کا وقت آن پہنچا اور جس قدر طلوع آفتاب کا وقت قریب ہوتا گیا چاند کا جسم دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوجھل ہونے لگا تو یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم نے ایک ایسا جملہ فرمایا جس کے چاند کے رب ہونے کی نفی کے ساتھ خدائے واحد کی ہستی کی جانب قوم کی توجہ اس خاموشی کے ساتھ پھیر دی جائے کہ قوم اس کا احساس بھی نہ کر سکے اور اس گفتگو کا جو مقصد وحید ہے یعنی خدائے واحد پر ایمان وہ ان کے دلوں میں بغیر قصد اور ارادے کے پیوست ہو جائے۔

فرمایا اگر میرا حقیقی پروردگار میری راہنمائی نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ قوم میں سے ہوتا اس قدر فرمایا اور خاموش ہوگئے اس لیے کہ ابھی اس سلسلے کی ایک کڑی باقی ہے اور قوم کے پاس ابھی مقابلے کے لیے ہتھیار موجود ہے اس لیے اس سے زیادہ کہنا مناسب نہ تھا۔

تاروں بھری رات ختم ہوئی چمکتے ستارے اور چاند سب جب نظروں سے اوجھل ہوگئے اس لیے کہ اب آفتاب کا عالم تاب کا رخ روشن سامنے آرہا تھا دن نکل آیا اور وہ پوری آب وتاب سے چمکنے لگا۔

حضرت ابراہیم نے اس کو دیکھ کر فرمایا یہ ہے میرا رب کیونکہ یہ کواکب میں سب سے بڑا ہے اور نظام فلکی میں اس سے بڑا ستارہ ہمارے سامنے دوسرا نہیں ہے۔

لیکن دن بھر چمکنے اور روشن رہنے اور تمام عالم کو روشن کرنے کے بعد وقت مقررہ پر اس نے بھی عراق کی سر زمین سے پہلو بچانا شروع کردیا اور اندھیری رات آہستہ آہستہ سامنے آنے لگی اور آخرکار سورج نظروں سے غائب ہوگیا تو اب وقت آن پہنچا کہ حضرت ابراہیم اصل حقیقت کا اعلان کردیں اور قوم کو لاجواب بنادیں۔

چنانچہ ان کے عقیدے کے مطابق اگر ان کواکب کو ربوبیت اور معبودیت حاصل ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم سے بھی زیادہ ان میں تغیرات نمایاں ہیں اور یہ جلد جلد ان کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اگر معبود ہیں تو ان میں چمک کر پھر ڈوب جانا کیوں ہے جس طرح چمکتے نظر آتے ہیں اسی طرح کیوں نہیں چمکتے رہتے چھوٹے ستاروں کی روشنی کو مہتاب نے کیوں ماند کردیا اور مہتاب کے رخ روشن کو آفتاب کے نور نے کس لیے بے نور بنادیا چنانچہ آپ نے کہا۔

”پس اے قوم میں ان مشرکانہ عقائد سے بری ہوں اور شرک کی زندگی سے بے زار، بلاشبہ میں نے اپنا رخ صرف اسی ایک خدا کی جانب کرلیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے میں حنیف ہوں مشرک نہیں ہوں۔

چنانچہ نبوت عطا ہونے کے بعد حضرت ابراہیم دیکھ رہے تھے کہ شرک کا سب سے بڑا مرکز خود ان کے لیے اپنے گھر میں قائم ہے اور ان کے باپ آزر کی بت سازی اور بت پرستی پوری قوم کے لیے مرجع اور محور بنی ہوئی ہے اس لیے فطرت کا تقاضا تھا کہ دعوت حق اور پیغام صداقت کے ادائے فرض کی ابتداء گھر سے ہونی چاہیے اس لیے حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو مخاطب کیا اور فرمایا۔

”اے میرے باپ خدا پرستی اور معرفت الٰہی کے لیے جو راستہ تم نے اختیار کیا ہے اور جس کو آباواجداد کا قدیم راستہ بتلایا ہے یہ گمراہی اور باطل پرستی کی راہ ہے اور صراط مستقیم اور راہ حق صرف وہی ہے جس کی دعوت میں دے رہاں ہوں اے میرے باپ توحید ہی سرچشمہ نجات ہے نہ کہ تیرے ہاتھ کے بنائے ہوئے ان بتوں کی پرستش اور عبادات اس راہ کو چھوڑ اور توحید حق کی راہ کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرتا کہ تجھ کو خدا کی رضا اور دنیا وآخرت کی سعادت حاصل ہو۔“

مگر افسوس کہ آزر پر حضرت ابراہیم کی اس نصیحت کا مطلق کوئی اثر نہ ہوا بلکہ قبول حق کے بجائے آزر نے بیٹے کو دھمکانا شروع کیا اور کہنے لگا۔

”ابراہیم اگر تو بتوں کی برائی سے باز نہ آئے گا تو میں تجھ کو سنگ سار کردوں گا۔“

حضرت ابراہیم نے جب یہ دیکھا کہ معاملہ اب حد سے آگے بڑھ گیا ہے اور ایک جانب اگر باپ کے احترام کا مسئلہ ہے تو دوسری جانب ادائے فرض حمایت حق اطاعت امر الٰہی کا سوال ہے تو انہوں نے آخر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ کے جلیل المرتب پیغمبر کے شایانِ شان تھا انہوں نے باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا۔ تحقیق وتذلیل کا رویہ نہیں برتا بلکہ نرمی، ملائمت اور اخلاق کریمانہ کے ساتھ جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ ”اے میرے باپ اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج سے تجھے میرا اسلام ہے میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو نہیں چھوڑ سکتا اور کسی حال بتوں کی پرستش نہیں کرسکتا میں آج سے تم سے جدا ہوتا ہوں مگر غائبانہ تیرے لیے بارگاہ الٰہی میں بخشش طلب کرتا رہوں تا کہ تجھ کو ہدایت

نصیب ہو اور تو خدا کے عذاب سے نجات پائے۔“

باپ اور بیٹے کے درمیان جب اتفاق کی صورت نہ بنی اور آزر نے کسی طرح ابراہیم کی رشد وہدایت کو قبول نہ کیا تو حضرت ابراہیم نے آزر سے جدائی اختیار کرلی اور اپنی دعوت حق اور پیغام رسالت کو وسیع کردیا اور اب صرف آزر ہی مخاطب نہ رہا بلکہ پوری قوم کو مخاطب بنالیا مگر قوم اپنے باپ دادا کے دین کو کب چھوڑنے والی تھی اس نے حضرت ابراہیم کی ایک نہ سنی اور دعوت حق کے سامنے اپنے باطل معبودوں کی طرح گونگے، بہرے اور اندھے بن گئے۔

ان کے کان موجود تھے مگر حق کی آواز کے لیے بہرے تھے، پتلیاں آنکھوں کے حلقوں میں زندہ انسان کی آنکھوں کی طرح حرکت ضرور کرتی تھیں مگر حق کی بصارت سے محروم تھیں، زبان گویا ضرور تھی لیکن کلمہ حق کے اظہار سے گنگ تھی، اس بناء پر خدا نے فرمایا:

”ان کے دل ہیں پر سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں پر دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں، یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں، یہی ہیں جو غفلت میں سرشار ہیں۔“

جب حضرت ابراہیم نے زیادہ زور دے کر پوچھا یہ تو بتاؤ کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تم کو کسی قسم کا بھی نفع ونقصان پہنچاتے ہیں۔

تو کہنے لگے ان باتوں کے جھگڑے میں ہم پڑنا نہیں چاہتے ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہی کرتے چلے آئے ہیں لہٰذا ہم بھی وہی کررہے ہیں تب حضرت ابراہیم نے ایک خاص انداز سے خدائے واحد کی ہستی کی جانب توجہ دلائی فرمانے لگے۔“

”میں تو تمہارے سب بتوں کو اپنا دشمن جانتا ہوں یعنی میں ان سے بے خوف اور بے خطر ہوکر اعلان جنگ کرتا ہوں اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اپنی حسرت نکال لیں۔“

”البتہ میں صرف اس ہستی کو اپنا مالک سمجھتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا اور راہ راست دکھائی۔ جو مجھ کو کھلاتا پلاتا یعنی رزق دیتا ہے جب میں مریض ہوجاتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا بخشتا ہے اور میری زیست اور موت دونوں کا مالک ہے اور اپنی خطا کاری کے وقت جس سے یہ امید کرتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن مجھ کو بخش دے۔

اور میں اس کے حضور میں یہ دعا کرتا ہوں اے میرے پروردگار تو مجھ کو صحیح فیصلہ کرنے کی قوت عطا کر اور مجھ کو نیک لوگوں کی فہرست میں داخل کر اور مجھ کو زبان کی سچائی عطا کر اور جنت نعیم کے وارثوں میں شامل کر۔“

اب حضرت ابراہیم کی قوم سمجھی کہ یہ کیا ہورہا ہے ابراہیم نے ہمارے تمام ہتھیار بے کار اور ہمارے تمام دلائل پامال کردیئے ہیں اب ہم ابراہیم کی اس مضبوط اور محکم برہان کا کس طرح رد کریں اور اس کی روشن دلیل کا کیا جواب دیں وہ اس کے لیے بالکل عاجز اور درماندہ تھے اور جب کوئی بس نہ چلا تو قائل ہونے اور صداقت حق کو قبول کرنے کے بجائے ابراہیم سے جھگڑنے اور اپنے معبودانِ باطل سے ڈرانے لگے کہ وہ اپنی توہین کا تجھ سے ضرور انتقام لیں گے اور تجھ کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

جواب میں حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ ”کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو اور اپنے بتوں سے مجھ کو ڈراتے ہو حالانکہ خداتعالیٰ نے مجھ کو صحیح راہ دکھائی ہے اور تمہارے پاس گمراہی کے سوا کچھ نہیں مجھے تمہارے بتوں کی کوئی پروا نہیں جو میرا رب چاہے گا وہی ہوگا۔

تمہارے بت کچھ بھی نہیں کرسکتے کیا تم کو ان باتوں سے نصیحت نہیں ہوتی تم کو خدا کی نافرمانی کرنے اور اس کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانے میں خوف نہیں آتا جس کے لیے تمہارے پاس ایک دلیل بھی نہیں ہے اور مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ خدائے واحد کا ماننے والا اور امن عالم کا ذمہ دار ہوکر میں تمہارے بتوں سے ڈر جاؤں گا کاش کہ تم سمجھتے کہ کون مفسد ہے اور کون مصلح اور امن پسند۔

صحیح عمل کی زندگی اسی شخص کو حاصل ہے جو خدائے واحد پر ایمان رکھتا ہے اور شرک سے بیزار رہتا ہے اور وہی خلق ومالک ہے۔“

بہرحال اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم الشان حجت تھی جو

حضرت ابراہیم کی زبان سے بت پرستی کے خلاف ہدایت اور تبلیغ کو بعد کو اکب پرستی کی رو میں ظاہر فرمائی اور ان کی قوم کے مقابلے میں ان کو روشن دلائل اور براہین کے ساتھ سربلندی عطا فرمائی۔

☆......☆......☆

حضرت ابراہیم نے اپنے باپ آزر اور اپنی قوم کے جمہور کو ہر طرح سے بت پرستی کے مصائب ظاہر کر کے انہیں اس سے باز رکھنے کی سعی اور کوشش کی اور ہر قسم کے پندونصائح کے ذریعے ان کو یہ باور کرانے میں اپنی ساری قوت صرف کردی کہ یہ بت نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور یہ کہ تمہارے کاہنوں اور پیشواؤں نے ان بتوں کے متعلق تمہارے دل میں یہ غلط خوف بٹھا دیا ہے کہ ان کے منکر ہو جاؤ گے تو وہ غضب ناک ہو کر تم کو تباہ کر ڈالیں گے۔

آپ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ یہ اپنے اوپر آئی ہوئی مصیبت کو بھی نہیں ٹال سکتے مگر آپ کے باپ آزر اور قوم کے دلوں پر مطلق اثر نہ ہوا اور وہ اپنے دیوتاؤں کی خدائی قوت کے عقیدے سے کسی طرح باز نہ آتے تھے بلکہ کاہنوں اور سرداروں نے ان کو زیادہ پختہ کردیا اور ابراہیم کی نصیحت پر کان دھرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا۔

تب حضرت ابراہیم نے سوچا ان کو رشد وہدایت کا ایسا پہلو اختیار کرنا چاہیے جس سے لوگوں کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ واقعی ہمارے دیوتا صرف لکڑیوں اور پتھروں کی مورتیاں ہیں جو گونگی بھی ہیں اور بہری بھی ہیں اور اندھی بھی اور دلوں میں یہ یقین واضح ہو جائے کہ اب تک ان کے متعلق ہمارے کاہنوں اور سرداروں نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل غلط اور بے سروپا اور بے بنیاد باتیں تھیں۔

اور ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ لوگوں پر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ جو کچھ وہ خدا کا پیغام سنا رہے ہیں سچی بات وہی ہے اور اگر ایسی کوئی صورت بن آئی تو پھر میرے لیے تبلیغ حق کے لیے آسان راہ نکل آئے گی یہ سوچ کر انہوں نے ایک نظام عمل تیار کیا جس کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور اس کی ابتداء اس طرح کی کہ باتوں میں اپنی قوم کے افراد سے یہ کہہ دیا۔

"میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ چال چلوں گا۔"

گویا اس طرح ان کو متنبہ کرنا تھا کہ اگر تمہارے دیوتاؤں میں کوئی قدرت ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو تو وہ میری چال کو باطل اور غلط کردیں کہ میں ایسا نہ کرسکوں۔

مگر کیونکہ بات صاف نہ تھی اس لیے قوم نے اس جانب کوئی توجہ نہ کی۔

حسن اتفاق کہ بہت جلد اس قوم کا ایک مذہبی میلہ پیش آ گیا جب سب اس کے لیے چلنے لگے تو کچھ لوگوں نے ابراہیم سے بھی اصرار کیا کہ وہ بھی ساتھ چلیں حضرت ابراہیم نے اول انکار کیا اور جب اس جانب سے اصرار بڑھنے لگا تو ستاروں کی جانب نگاہ اٹھائی اور فرمانے لگے۔

"میں آج کچھ علیل سا ہوں۔"

چونکہ حضرت ابراہیم کی قوم کو کواکب پرستی کی وجہ سے نجوم میں کمال اور اعتقاد بھی تھا اس لیے اپنے عقیدے کے لحاظ سے وہ یہ سمجھے کہ ابراہیم نحس ستارہ کے اثر بد میں مبتلا ہیں اور بغیر کسی تحقیق حال کے حضرت ابراہیم کو چھوڑ کر میلے میں چلے گئے اس واقعے کو خدا نے یوں بیان فرمایا۔

"پس ابراہیم نے ایک نگاہ اٹھا کر ستاروں کی جانب دیکھا اور کہنے لگا میں کچھ علیل ہوں پس وہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔"

اب جب کہ ساری قوم بادشاہ کاہن اور مذہبی پیشوا میلے میں مصروف شراب وکباب میں مشغول تھے تو حضرت ابراہیم نے سوچا کہ وقت آ گیا ہے کہ اپنے نظام عمل کی تکمیل کروں اور مشاہدے کی صورت میں لوگوں پر واضح کردوں کہ ان کے دیوتاؤں کی حقیقت کیا ہے۔

پس وہ اٹھے اور سب سے بڑے دیوتا کے ہیکل یعنی مندر میں پہنچے دیکھا کہ وہاں دیوتاؤں کے سامنے قسم قسم کے حلووں، پھلوں، میواؤں اور مٹھائیوں کے چڑھاوے رکھے تھے حضرت ابراہیم نے طنزیہ چپکے چپکے ان مورتیوں سے مخاطب ہو کے کہا۔

"یہ سب کچھ موجود ہے ان کو کھاتے کیوں نہیں

ہو" اور پھر کہنے لگے۔ "میں بات کر رہا ہوں کیا بات ہے تم جواب نہیں دیتے۔" اور پھر ان سب کو توڑ پھوڑ ڈالا اور سب سے بڑے بت کے کاندھے پر ہتھوڑا رکھ کر واپس چلے گئے۔

قرآن پاک نے اس واقعے کو اس طرح بیان فرمایا۔

"پس چپکے سے جا گھسا ان کے بتوں میں اور کہنے لگا ان کے دیوتاؤں سے کیوں نہیں کھاتے تم کو کیا ہو گیا ہے کیوں نہیں بولتے پھر اپنے داہنے ہاتھ سے ان سب کو توڑ ڈالا پس کردیا ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ان میں بڑے دیوتا کو چھوڑ دیا تا کہ اپنے عقیدے کے مطابق وہ اس کی طرف رجوع کریں کہ یہ کیا ہو گیا۔"

جب لوگ میلے سے واپس آئے تو ہیکل میں بتوں کا یہ حال پایا تو سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے یہ کیا ہوا اور کس نے کیا ان میں سے وہ بھی تھے جن کے سامنے حضرت ابراہیم نے ایک بار کہا تھا کہ

"میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ چال چلوں گا"۔

انہوں نے فوراً کہا کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے۔

اس واقعہ کو بھی قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا۔

"وہ کہنے لگے یہ معاملہ ہمارے خداؤں کے ساتھ کس نے کیا ہے بلاشبہ وہ ضرور ظالم ہے ان میں سے بعض کہنے لگے ہم نے ایک جوان کی زبان سے ان بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر سنا ہے اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے یعنی یہ کام اسی کا ہے۔"

چنانچہ کاہنوں اور سرداروں نے جب یہ سنا تو غصے سے سرخ ہو گئے اور کہنے لگے۔

"اس کو مجمع کے سامنے پکڑ کر لاؤ تاکہ سب دیکھیں کہ مجرم کون ہے۔"

چنانچہ حضرت ابراہیم سامنے لائے گئے تو بڑے رعب دار سے انداز میں انہوں پوچھا۔ "ابراہیم تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ کیا کیا۔" اس موقع پر قرآن مجید نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا۔

"انہوں نے کہا ابراہیم کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ دیکھیں وہ کہنے لگے اے ابراہیم تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ کیا کیا ہے۔"

حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ اب بہترین موقع آ گیا ہے جس کے لیے میں نے یہ تدبیر اختیار کی سب لوگ بھی یہاں موجود ہیں دیکھ رہے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کا کیا حشر ہو گیا اس لیے اب کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کو عام لوگوں کی موجودگی میں ان کے باطل عقیدہ پر نادم کردینے کا وقت ہے تا کہ عام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آج تک ان دیوتاؤں کے متعلق ہم سے کاہنوں اور پجاریوں نے جو کہا تھا وہ سب ان کا مکروفریب تھا۔

مجھے ان سے کہنا چاہیے کہ یہ سب اس بڑے بت کی کاروائی ہے اس سے دریافت کرو لامحالہ وہ یہی جواب دیں گے کہ کہیں بت بھی بولتے ہیں اور بات کرتے ہیں تب میرا مطلب حاصل ہے اور میں ان کے عقیدے کا پول عام لوگوں کے سامنے کھول کر صحیح عقیدے کی تلقین کرسکوں گا اور بتاؤں گا کہ کس طرح وہ باطل اور گمراہی میں مبتلا ہیں اس وقت ان کاہنوں اور پجاریوں کے پاس ندامت کے سوا کیا ہوگا اس لیے جو جواب حضرت ابراہیم نے دیا اس کے لیے قرآن مجید نے فرمایا۔

"ابراہیم نے کہا بلکہ ان میں سے اس بڑے بت نے یہ کیا ہے پس اگر تمہارے دیوتا بولتے ہوں تو ان سے دریافت کرلو۔"

حضرت ابراہیم کی اس یقینی حجت اور دلیل کا کاہنوں اور پجاریوں کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا وہ ندامت میں غرق تھے دلوں میں ذلیل اور رسوا تھے اور سوچتے تھے کہ آخر اس کا کیا جواب دیں عام لوگ بھی سب کچھ سمجھ گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ لیا جس کے لیے وہ تیار نہ تھے اور آخر چھوٹے بڑے سب ہی کو دل میں اقرار کرنا پڑا کہ ابراہیم ظالم نہیں بلکہ ظالم ہم خود ہیں کہ ایسے بے دلیل اور باطل عقیدہ پر یقین رکھتے ہیں تب نہایت شرم

ساری کے ساتھ سرنگوں ہوکر کہنے لگے۔

"ابراہیم تو خوب جانتا ہے ان دیوتاؤں میں بولنے کی سکت نہیں ہے یہ تو بے جان مورتیاں ہیں۔"

چنانچہ قرآن مجید نے بھی ابراہیم کے اس سوال کے جواب میں ذکر کیا اور فرمایا۔

"پس انہوں نے اپنے جی میں سوچا پھر کہنے لگے بے شک تم ہی ظالم ہو بعدازاں اپنے سروں کو نیچے جھکا کر کہنے لگے اے ابراہیم تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں۔"

اس طرح حضرت ابراہیم کی حجت اور دلیل کامیاب ہوئی اور دشمنوں نے اعتراف کرلیا کہ ظالم ہم ہی ہیں اور ان کو عام لوگوں کے سامنے زبان سے اقرار کرنا پڑا کہ ہمارے لیے دیوتا جواب دینے اور بولنے کی طاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ کہ نفع ونقصان کے مالک ہوں۔

اس موقع پر حضرت ابراہیم نے مختصر مگر جامع الفاظ میں ان کو نصیحت بھی کی اور ملامت بھی اور بتایا کہ "جب یہ دیوتا نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نقصان تو پھر یہ خدا اور معبود کیسے ہوسکتے ہیں افسوس تم اتنا بھی نہیں سمجھتے یا عقل سے نہیں کام لیتے۔" چنانچہ بقول قرآن مجید فرمانے لگے۔

"کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو تم کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں تم پر افسوس ہے اور تمہارے معبودان باطل پر بھی جن جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔"

حضرت ابراہیم کی اس نصیحت اور موعظت کا اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ تمام قوم اپنے باطل عقیدے سے تائب ہوکر ملت حنفی کو اختیار کرلیتی اور کج روی چھوڑ کر راہ مستقیم پر گامزن ہوجاتی لیکن دلوں کی کجی اور نفوس کی سرکشی متمردانہ ذہنیت اور باطنی خباثت اور حماقت نے اس جانب نہ آنے دیا اور اس کے برعکس ان سب نے حضرت ابراہیم کی عداوت اور دشمنی کا نعرہ بلند کردیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"اگر دیوتاؤں کی خوشنودی چاہتے ہو تو اس کو اس گستاخی اور مجرمانہ حرکت پر سخت سزا دو اور دہکتی ہوئی آگ میں جلا ڈالو تاکہ اس کی تبلیغ اور دعوت کا قصہ ہی پاک ہوجائے۔"

ابھی یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ آہستہ آہستہ بادشاہ وقت تک یہ باتیں پہنچ گئیں اس زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ خود ان کو رب اور مالک جانتے تھے اور اس کی بھی اس طرح پرستش کی جاتی تھی جس طرح دیوتاؤں کی کرتے تھے بلکہ ان سے بھی زیادہ پاس وادب کے ساتھ پیش آتے تھے اس لیے کہ وہ صاحب عقل وشعور بھی ہوتا تھا اور مالک تخت وتاج بھی۔

چنانچہ نمرود کو جب معلوم ہوا کہ ابراہیم نے بتوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے تو آپے سے باہر ہوگیا اور سوچنے لگا کہ اس شخص کی پیغمبرانہ تبلیغ اور دعوت کی سرگرمیاں اگر اسی طرح جاری رہیں تو یہ میری ربوبیت، ملوکیت اور الوہیت سے بھی سب رعایا کو منحرف اور برگشتہ کردے گا اور اس طرح باپ دادا کے مذہب کے ساتھ ساتھ میری یہ سلطنت بھی زوال میں آجائے گی۔

اس بناء پر اس نے سوچا بہتر یہی ہے کہ اس قصے کا ابتداء ہی میں خاتمہ کردینا چاہیے یہ سوچ کر اس نے حکم دیا کہ ابراہیم کو ہمارے دربار میں پیش کرو چنانچہ نمرود کے حواری اور اس کے آدمی حرکت میں آئے اور حضرت ابراہیم کو لے کر نمرود کے دربار میں پہنچے تو نمرود نے گفتگو شروع کی اور حضرت ابراہیم سے دریافت کیا کہ "تو ہمارے باپ دادا کے دین کی مخالفت کس لیے کرتا ہے اور مجھ کو رب ماننے سے تجھے کیوں انکار ہے؟"

حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ "میں خدائے واحد کا پرستار ہوں اس کے علاوہ کسی کو اس کا شریک نہیں مانتا ساری کائنات اور تمام عالم اسی کی مخلوق ہے اور وہی ان سب کا خالق اور مالک ہے تو بھی اسی طرح ایک انسان ہے جس طرح ہم سب انسان ہیں پھر تو کس طرح رب یا خدا ہوسکتا ہے اور کس طرح یہ گونگے بہرے لکڑی کے بت خدا ہوسکتے ہیں میں صحیح راہ پر ہوں اور تم سب غلط راہ پر ہو اس لیے میں تبلیغ حق کو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں اور تمہارے باپ دادا کے خودساختہ دین کو کیسے اختیار کرسکتا ہوں۔"

نمرود نے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا۔ "اگر میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے تو اس کا ایسا وصف بیان کر کہ جس کی قدرت مجھ میں نہ ہو۔"

تب حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ "میرا رب وہ ہے جس کے قبضے میں موت وحیات ہے وہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی بخشتا ہے۔"

کج فہم نمرود موت وحیات کی حقیقت سے ناآشنا کہنے لگا۔

"اس طرح موت وحیات میرے قبضے میں بھی ہے۔" اور یہ کہ اسی وقت ایک بے قصور شخص کے متعلق جلاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن ماردو اور موت کے گھاٹ اتاردو۔

جلاد نے فوراً حکم کی تعمیل کردی اور ایک قتل کے سزا یافتہ مجرم کو زندان سے بلاکر حکم دیا جاؤ ہم نے تمہاری جان بخشی کی اور پھر ابراہیم کی جانب متوجہ ہوکر کہنے لگا۔

"دیکھا میں کس طرح زندگی بخشتا ہوں اور موت دیتا ہوں پھر تیرے خدا کی خصوصیت کیا رہی۔"

حضرت ابراہیم سمجھ گئے یا تو نمرود حیات اور موت کی اصل حقیقت سے ناآشنا ہے اور یا جمہور اور رعایا کو مغالطہ دینا چاہتا ہے تاکہ وہ اس فرق کو سمجھ سکیں کہ زندگی بخشنا اس کا نام نہیں ہے بلکہ نیست ونابود کرنے کا نام زندگی بخشنا ہے اور اس طرح کسی کو قتل یا پھانسی سے بچالینا موت کا مالک ہونا نہیں ہے موت کا مالک وہی ہے جو روح انسانی کو اس کے جسم سے نکال کر اپنے قبضے میں کرلیتا ہے۔

اسی لیے بہت سے دار رسیدہ اور شمشیر زدہ انسان زندگی پاجاتے ہیں اور بہت سے قتل سے بچائے ہوئے انسان لقمہ اجل بن جاتے ہیں اور کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکتی اگر ہوسکتا ہے تو اسے حضرت ابراہیم سے گفتگو کرنے والا نمرود سربراہ سلطنت نہ ہوتا بلکہ اس کے خاندان کا پہلا شخص ہی آج بھی اس تاج وتخت کا مالک نظر آتا مگر نامعلوم کہ عراق کی سلطنت کے کتنے مدعی زیر زمین دفن ہوچکے تھے اور ابھی کتنوں کی باری باقی تھی۔

تاہم حضرت ابراہیم نے سوچا کہ اگر میں نے اس موقع پر موت وحیات کے دقیق فلسفہ پر بحث شروع کردی تو نمرود کا مقصد پورا ہوجائے گا اور وہ عام لوگوں کو مغالطہ میں ڈال کر اصل معاملے کو الجھادے گا اس طرح میرا نیک مقصد پورا نہ ہوسکے گا اور تبلیغ حق کے سلسلے میں سر محفل نمرود کو لاجواب کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ "میں اس ہستی کو اللہ کہتا ہوں جو روزانہ سورج کو مشرق سے لاتا اور مغرب کی جانب لے جاتا ہے پس اگر تو بھی اسی طرح خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق میں غروب کر۔"

یہ سن کر نمرود مبہوت اور لاجواب ہوکر رہ گیا اور اس طرح حضرت ابراہیم کی زبان سے نمرود پر خدا کی حجت پوری ہوئی۔

نمرود اس دلیل سے مبہوت کیوں ہوا اور اس کے پاس اس کے مقابلے میں مغالطہ کی گنجائش کیوں نہ رہی اس لئے ابراہیم کی دلیل کا حاصل یہ تھا کہ میں ایک ایسی ہستی کو اللہ مانتا ہوں جس کے متعلق میرا یہ عقیدہ ہے کہ ساری کائنات اور اس کا سارا نظام اسی نے بنایا ہے اور اس نے اس پورے نظام کو اپنی حکمت کے قانون سے ایسا مسخر کردیا ہے کہ اس کی کوئی شے وقت مقررہ سے پہلے اپنی جگہ سے ہٹ سکتی ہے اور نہ ادھر ادھر ہوسکتی ہے۔

تم اس پورے نظام میں سے سورج ہی کو دیکھو کہ عالم ارضی میں کس قدر فائدے حاصل کرتا ہے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے طلوع اور غروب کا بھی ایک نظام مقرر کردیا ہے پس اگر سورج لاکھ بار بھی چاہے کہ وہ اس نظام سے باہر ہوجائے تو وہ اس پر قادر نہیں کیونکہ اس کی باگ خدائے واحد کے قبضہ قدرت میں ہے اور اس کو بے شک یہ قدرت ہے جو چاہے کر گزرے لیکن وہ کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے لہٰذا اب نمرود کے لئے تین ہی صورتیں جواب دینے کی ہوسکتی تھیں یا وہ یہ کہے کہ مجھے آفتاب پر پوری قدرت حاصل ہے اس لئے میں نہیں کہا کہ وہ خود اس کا قائل نہیں تھا کہ یہ ساری کائنات اس نے بنائی ہے اور آفتاب کی حرکت اس کے قبضہ قدرت میں ہے بلکہ

وہ تو خود کو اپنی رعایا کا رب اور دیوتا کہلاتا تھا اور بس۔

دوسری صورت یہ تھی کہ وہ کہتا میں عالم کو کسی کی مخلوق نہیں مانتا اور سورج خود مستقل دیوتا ہے اس کے اختیارات میں خود بہت کچھ ہے مگر اس نے یہ بھی اس لئے نہ کہا کہ اگر وہ ایسا کہتا تو ابراہیم کا وہی اعتراض سامنے آجاتا جو انہوں نے عام لوگوں کے سامنے سورج کی ربوبیت کے خلاف لگایا تھا کہ اگر یہ رب ہے تو عابدوں اور پجاریوں سے زیادہ اس معبود اور دیوتا میں تغیرات اور فنا کے اثرات کیوں موجود ہیں رب کو فنا اور تغیر سے کیا علاقہ اور کیا اس کی قدرت میں یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو وقتِ مقررہ سے پہلے یا بعد طلوع یا غروب ہوجائے۔

تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم کی اس حجت اور آپ کے اس چیلنج کو قبول کرلیتا اور مغرب سے نکال کر دکھا دیتا مگر نمرود کیونکہ ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی جواب پر قادر نہ تھا اس لئے مبہوت اور لاجواب ہونے کے علاوہ اس کے پاس دوسرا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔

(عیسائی پادریوں اور ان کی اندھی تقلید میں ہندوؤں کے آریہ ساجوں نے حضرت ابراہیم کے اس ذکر کردہ مناظر پر یہ اعتراض کیا ہے اگر نمرود جواب میں یہ کہہ بیٹھتا کہ ابراہیم تو اپنے خدا سے سورج کو مغرب سے طلوع کرادے تو ابراہیم کے پاس کیا جواب تھا)۔

یہ اعتراض بہت ہی لچر اور سطحی ہے اس لئے کہ حضرت ابراہیم کے مناظرہ کی جو تشریح بیان کی گئی ہے اور جو حقیقت واقع ہے اس کے بعد یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ نمرود جانتا تھا کہ وہ ایسا اس لئے نہیں کرسکتا پہلے وہ خود اپنی عاجزی اور درماندگی کا اظہار کرے اور ساتھ یہ بھی تسلیم کرے کہ سورج ان کا دیوتا ہی نہیں ہے اور نہ اس میں قدرت ہے کہ وہ ہماری اس استدعا کو ابراہیم کے مقابلے میں قبول کرے۔

اس بناء پر اس نے خاموشی اختیار کرلی اور اگر وہ ایسا سوال کر بھی بیٹھتا تو حضرت ابراہیم کو یقین تھا کہ اس چیلنج کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو ذلیل نہیں کرے گا اور ابراہیم کی دعا پر وہ بلاشبہ سورج کو مغرب سے طلوع کرکے حضرت ابراہیم کی صداقت کو واضح کردے گا البتہ یہ مسئلہ مادہ پرستوں اور خدا کی قدرت پر کنٹرول کرنے والوں کے لئے ضرور تعجب خیز ہوسکتا ہے لیکن جن کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کا یہ سارا نظام اگرچہ خاص قوانین کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے لیکن اس کا یہ شکنجہ ان اشیاء کے ذاتی خواص کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس شکنجے میں کسنے والی ہستی اور ہے جو سب سے بالاتر ہے اور تمام اشیاء کی تاثیر اس کے خواص اس کے قبضہ قدرت میں ہیں لہٰذا وہ چاہے تو ان کے خواص اور تاثیرات کو بدل بھی سکتا ہے اور فنا بھی کرسکتا ہے اور اسی قادر مطلق اور مالک وخالق کا نام اللہ ہے۔

نمرود کے اس واقعے کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے۔ ”کیا تو نے نہیں دیکھا اس شخص کا واقعہ جس کو اللہ نے بادشاہت بخشی تھی اس نے کس طرح ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں مناظرہ کیا جب کہا ابراہیم نے میرا پروردگار تو زندگی بخشتا ہے موت دیتا ہے بادشاہ نے کہا میں بھی زندگی بخشتا ہوں اور موت دیتا ہوں ابراہیم نے کہا بلاشبہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا پس وہ کافر مبہوت اور لاجواب ہوکر رہ گیا اور اللہ ظلم کرنے والوں کو کامیاب نہیں کرتا۔“

غرض حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے والد آزر کو اسلام کی تلقین کا پیغام حق سنایا اور راہِ مستقیم دکھائی اس کے بعد عوام اور عام لوگوں کے سامنے اس دعوت کو عام کیا اور سب کو امر حق تسلیم کرانے کے لئے فطرت کے بہترین اصول اور دلائل کو پیش فرمایا نرمی اور شیریں کلامی مگر مضبوط محکم اور روشن حجت اور دلیل کے ساتھ ان پر حق کو واضح کیا اور سب سے آخر میں بادشاہ نمرود سے مناظرہ کیا اور اس پر روشن کردیا کہ ربوبیت والوہیت کا حق صرف خدائے واحد کے لئے ہی سزاوار ہے اور بڑے سے بڑا شہنشاہ بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کی ہم عصری کا دعویٰ کرے۔

کیونکہ دنیا اس کی مخلوق ہے اور وجود اور عدم وجود کی قیدوبند میں گرفتار نہیں مگر اس کے باوجود بادشاہ حضرت ابراہیم کا باپ آزر اور عام لوگ حضرت ابراہیم

کے دلائل سے لاجواب تھے اور دلوں میں قائل بھی تھے بلکہ بتوں کے واقعے میں تو زبان سے بھی اقرار کرنا پڑا کہ ابراہیم جو کچھ کہتا ہے وہی حق ہے اور صحیح اور درست۔ تاہم ان میں سے کسی نے راہ مستقیم کو اختیار نہ کیا اور قبولِ حق سے منحرف ہی رہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے برعکس اپنی ندامت اور ذلت سے متاثر ہوکر بہت زیادہ غیض وغضب میں آگئے اور بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب نے متفقہ فیصلہ کرلیا کہ دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں حضرت ابراہیم کو دہکتی آگ میں جلا دینا چاہیے ایسے سخت مجرم کی سزا یہی ہوسکتی ہے اور دیوتاؤں کی رسوائی کا انتقام اسی طرح لیا جاسکتا ہے۔

☆......☆......☆

نمرود نے اپنی قوم کے فیصلے پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کرلیا ان حالات میں حضرت ابراہیم کی جدوجہد کا معاملہ ختم ہوگیا اور اب دلائل اور براہین کی قوت کے مقابلے میں مادی طاقت اور سطوت نے مظاہرہ شروع کردیا تھا باپ ان کا دشمن تھا عام لوگ ان کے مخالف تھے بادشاہ وقت آپ کے درپئے آزار تھا ایک ہستی اور چاروں جانب سے مخالفت کی آوازیں اٹھنے لگی تھیں دشمنی کے نعرے، نفرت اور حقارت کے ساتھ سخت انتقام اور خوفناک سزا کے ارادے ظاہر کرنے لگے تھے ایسے وقت میں اس کی مدد کون کرے اور اس کی حمایت کا سامان کس طرح مہیا ہو۔

مگر حضرت ابراہیم کو نہ اس کی پروا تھی اور نہ ان کا خوف وہ اسی طرح بے خوف وخطر اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے نیاز اعلانِ حق میں سرشار اور دعوت رشد وہدایت میں مشغول رہے البتہ ایسے نازک وقت میں جب تمام مادی سہارے ختم، دنیاوی اسباب ناپید اور حمایت اور نصرت کے ظاہری اسباب مفقود ہوچکے تھے حضرت ابراہیم کو اس وقت بھی ایک ایسا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا اور تمام نصرتوں کا ناصر کہا جاتا ہے اور وہ خدائے واحد کا سہارا تھا۔

چنانچہ خدا نے اپنے جلیل القدر پیغمبر قوم کے عظیم المرتبت ہادی اور راہنما کو بے یار ومددگار نہ رہنے دیا اور دشمن کے تمام منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔

ہوا یہ کہ نمرود اور قوم نے حضرت ابراہیم کی سزا کے لئے ایک مخصوص جگہ بنائی اور اس میں کئی روز مسلسل آگ دہکائی گئی حتیٰ کہ اس کے شعلوں سے قرب وجوار کی اشیاء تک جھلسنے لگی جب اس طرح بادشاہ اور قوم کو کامل اطمینان ہوگیا کہ اب ابراہیم کے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تب ایک گوپھن میں ابراہیم کو بٹھا کر دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔

اس وقت آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم پر اپنی سوزش کا اثر نہ کرے اور ناری عناصر کا مجموعہ ہوتے بھی اس کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد ہوجائے آگ اسی وقت حضرت ابراہیم کے لئے سلامتی والی بن گئی اور دشمن ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے حضرت ابراہیم دہکتی آگ سے سالم محفوظ دشمن کے نرغے سے نکل گئے۔

انبیاء کی نبوت کے ثبوت میں جو معجزات حق تعالیٰ ظاہر فرماتے ہیں ان سب کا حاصل یہی ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے لیے جلائی جانے والی آگ کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہوجا وہ ٹھنڈی ہوگئی اور اگر بردن کے ساتھ سلامن کا لفظ نہ ہوتا تو آگ برف کی طرح ٹھنڈی ہوکر سبب عذاب بھی بن سکتی تھی اور قوم نوح جو پانی میں ڈوبی تھی اس کے بارے میں خداوند قدوس نے فرمایا یعنی وہ قوم پانی میں غرق ہوکر آگ میں داخل ہوگئی۔

بہرحال حضرت ابراہیم کے لیے جو آگ جلائی گئی اس کے متعلق تاریخی روایات یہ بھی ہیں کہ ایک مہینہ تک سارے شہر کے لوگ اس کام کے لیے لکڑی وغیرہ جمع کرتے رہے پھر اس میں آگ لگا کر ساتھ دن اس کو بھڑکاتے رہے یہاں تک اس کے شعلے آسمان پر اتنے اونچے ہوگئے کہ اگر کوئی پرندہ اس پر سے گزرے تو جل جائے اس وقت ارادہ کیا کہ حضرت ابراہیم کو اس میں ڈالا جائے تو فکر ہوئی کہ ڈالیں کیسے اس کے پاس تک جانا کسی کے بس میں نہ تھا کہتے ہیں شیطان اس موقع پر کام آیا اور

اس نے گوپھن میں رکھ کر پھینکنے کی ترکیب بتائی جس وقت اللہ کے پیغمبر ابراہیم گوپھن کے ذریعے اس آگ کے سمندر میں پھینکے جارہے تھے تو مفسرین لکھتے ہیں سب سے پہلے سارے فرشتے زمین وآسمان کی مخلوق چیخ اٹھے کہ "یارب آپ کے خلیل پر کیا گزر رہی ہے۔"

خدا نے ان سب کو ابراہیم کی مدد کرنے کی اجازت دے دی فرشتوں نے مدد کرنے کے لیے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ "مجھے اللہ ہی کافی ہے وہ میرا حال دیکھ رہا ہے۔"

مفسرین مزید لکھتے ہیں کہ اس موقع پر جبرائیل نے عرض کیا آپ کو میری کسی مدد کی ضرورت ہے تو میں خدمت انجام دوں جواب دیا کہ حاجت تو ہے مگر آپ کی طرف نہیں بلکہ اپنے رب کی طرف۔

بہرحال خدا کے حکم سے وہ آگ ٹھنڈی ہوگئی جس میں حضرت ابراہیم کو ڈالا گیا تھا آگ حضرت ابراہیم کے علاوہ آس پاس کی دوسری چیزوں کو جلاتی رہی بلکہ حضرت ابراہیم کے بدن مبارک پر کوئی آنچ نہیں آنے دی تاریخی روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم اس آگ میں سات روز رہے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے عمر میں کبھی ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں جب میں آگ کے اندر رہا۔"

وہ لوگ جو اس واقعے کو تسلیم نہیں کرتے ان کے لیے مفسرین لکھتے ہیں کہ آج سائنس کی دریافت پر فضا میں ایسی گیسیں موجود ہیں جن کے بدن پر اثر کرنے سے آگ کی سوزش سے محفوظ رہا جاسکتا ہے تو گیسوں کے پیدا کرنے والے خالق کے لیے کون سا امر مانع ہے کہ نمرود کی دہکتی آگ میں ان کو ابراہیم تک نہ پہنچا دے اور اس طرح آگ کو حضرت ابراہیم کے لیے سلامتی والا بنا دے اسی طرح کا ایک اور معجزہ حضرت ابراہیم کی ذات سے وابستہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے خدا سے درخواست کی کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرا دیجیے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے چنانچہ جواب میں خدا نے فرمایا کہ اس درخواست کی کیا وجہ ہے کیا آپ کو ہماری قدرت کاملہ پر یقین نہیں کہ وہ ہر چیز پر حاوی ہے۔

جواب میں حضرت ابراہیم نے عرض کیا کہ یقین کیسے نہ ہوتا اللہ تیری قدرت کاملہ کے مظاہر ہر لحظہ ہر آن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں اور غور وفکر کرنے والے کے لیے خود اس کی ذات میں اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے لیکن انسانی فطرت ہے کہ جس کا مشاہدہ نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی یقینی ہو اس میں سے اس کے خیالات منتشر رہتے ہیں کہ یہ کیسے اور کس طرح ہوگا یہ ذہنی انتشار سکون قلب اور اطمینان میں خلل انداز ہوتا ہے اس لیے یہ مشاہدہ کی درخواست کی گئی کہ احیائے مرگ کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں میں ہی انتشار واقع نہ ہو قلب کو سکون اور اطمینان حاصل ہوجائے۔

چنانچہ خدا نے ان کی درخواست قبول فرما کر ان کے مشاہدے کی ایک ایسی عجب صورت تجویز فرمائی جس نے منکرین قیامت اور بعد میں زندہ ہونے کے تمام شبہات اور خدشات کے ازالہ کا مشاہدہ ہوجاتا ہے۔

وہ صورت یہ تھی کہ آپ کو حکم دیا کہ چار پرندے اپنے پاس جمع کرلیں پھر ان کو پاس رکھ کر خود سے ہلا لیں کہ وہ ایسے ہل جائیں کہ آپ کے بلانے سے آجایا کریں اور ان کی پوری شناخت بھی ہوجائے یہ شبہ نہ رہے کہ شاید کوئی دوسرا پرندہ آگیا ہے پھر ان چاروں کو ذبح کرکے ہڈیوں اور پروں سمیت ان کا گوشت قیمہ کرکے ان کے کئی حصے کردیں اور پھر اپنی تجویز سے مختلف پہاڑوں پر اس قیمے کا ایک ایک حصہ رکھ دیں پھر ان کو بلائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے زندہ ہوکر دوڑیں دوڑیں آپ کے پاس آجائیں گے۔

چنانچہ حضرت ابرہیم نے ایسا ہی کیا پھر ان کو پکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی، پر سے پر اور گوشت سے گوشت مل ملا کر سب اپنی اپنی اصل ہیئت میں زندہ ہوکر دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم کے پاس آگئے چنانچہ اس موقع پر خدا نے فرمایا۔

"اے ابراہیم قیامت کے روز اسی طرح سب اجزاء اور اجسام کو جمع کرکے ایک دم سے ان میں جان ڈال دوں گا۔"

☆......☆......☆

اپنی قوم کو لگاتار تبلیغ کرنے کے باوجود قوم نے آپ کا پیغام سننے اور اسے اپنانے سے انکار کردیا اور ساری جدوجہد کے نتیجے میں صرف دو اشخاص آپ پر ایمان لائے ایک آپ کی چچازاد بہن سارہ اور دوسرے آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام جب آپ نے دیکھا ار شہر میں ان کی تبلیغ پر کوئی دھیان نہیں دیتا خدا کے اس پیغام کو سننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے تب آپ نے ار شہر سے ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا چنانچہ آپ نکلے آپ کا ساتھ اس وقت صرف حضرت سارہ اور حضرت لوط نے دیا اس وقت حضرت ابراہیم کی شادی حضرت سارہ سے نہیں ہوئی تھی چونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط دونوں نے اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پال رکھے تھے چنانچہ اپنے ریوڑوں کو لے کر وہ ار شہر سے نکلے اور حران شہر کا رخ کیا۔

اس شہر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ شہر جہاں کے باشندوں کا مذہب بت پرستی تھا شمالی عراق میں چھوٹے سے دریائے جلاب پر واقع ہے جہاں اشیائے کوچک شام اور عراق کو جانے والے اہم کاروانی راستے ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں۔

آج کل یہ ترکی کی مقبوضات میں شامل ہے بقول یاقوتی عرفہ سے صرف ایک دن اور رقعہ سے حران دو دن کی مسافت پر ہے حران ایک قدیم شہر ہے اور حضرت ابراہیم کے دور میں یہ چاند دیوتا سین کا گھر تھا اس لیے کہ حران کا سب سے بڑا دیوتا بھی کیونکہ اسے تسلیم کیا جاتا تھا اس کی بناء پر البیرونی نے اس شہر کا نام ہی سین لکھ دیا اس شہر کی شکل چاند سے مشابہ تھی۔

حران شہر پر عربوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بغیر لڑائی کے قبضہ کیا تھا اس دور میں یہ شہر دیار مصر کے اہم ترین شہروں میں سے تھا البلاذری نے لکھا ہے کہ اس شہر نے عیاض بن غنم کے آگے ہتھیار ڈالے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے طب کے ایک مدرسے کو سکندریہ سے حران میں منتقل کردیا تھا مروان ثانی نے یہاں سکونت اختیار کرکے اسے اموی سلطنت کا دارالحکومت بنا دیا تھا حران کی پہلی مسجد اسی کے عہد میں تعمیر ہوئی۔

بقول یعقوبی مروان نے اپنا محل اس نظام پر بنایا جو باب البین کہلاتا تھا اور اس کی تعمیر پر ایک کروڑ درہم خرچ کیے تھے۔

جب بنو عباس نے عراق اور ایران پر قبضہ کرلیا تو مروان ثانی عباسی فوج سے جنگ کرنے کے لیے حران ہی سے بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا تھا ہارون الرشید نے دریائے جلاب سے حران تک ایک نہر بھی بنوائی تھی۔

عباسی عہد کے آغاز میں یہ شہر مترجمین کے ایک اہم مکتب کا گڑھ تھا مشہور مترجم البطانی بھی حران کا ہی کا باشندہ تھا یہ شہر جمبلیوں کا بھی اہم مرکز تھا سلطان نورالدین زنگی نے اس شہر پر 544 ہجری میں قبضہ کیا سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے عہد میں شہر کی جامع مسجد کی توسیع کی کیونکہ اس کے عہد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی ہجری 587 میں صلاح الدین نے حران اپنے بھائی ملک العادل کو پیش کردیا جس نے قلعے کو ازسرنو تعمیر کروایا۔

عالم اسلام کے مشہور عالم دین امام ابو تیمیہ یہیں پیدا ہوئے۔

مورخین اور مفسرین مزید لکھتے ہیں کہ اپنے آبائی شہر ار سے نکل کر حضرت ابراہیم دریائے فرات کے مغربی کنارے کے قریب پہلے ایک بستی میں چلے گئے جو اور کلدا فین کے نام سے مشہور تھی یہاں کچھ عرصہ قیام کیا حضرت لوط اور حضرت سارہ آپ کے ساتھ تھے اور کچھ دنوں بعد یہاں سے نکل کر آپ حران شہر کی طرف روانہ ہوگئے اور دین حنیف کی تبلیغ شروع کردی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت سارہ سے شادی آپ نے اسی شہر میں کی، ساتھ ہی اس عرصہ میں آپ برابر اپنے باپ آزر کے لیے بارگاہ الٰہی میں استغفار کرتے اور اس کی ہدایت کے لئے دعا مانگتے رہے اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ وہ نہایت رقیق القلب، رحیم اور بہت ہی نرم دل اور بردبار تھے اس لیے

آزر کی جانب سے ہر قسم کی عداوت کے اور آزاروں کے باوجود انہوں نے آزر سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگرچہ میں تجھ سے جدا ہو رہا ہوں اور افسوس کہ تو نے خدا کی رشد و ہدایت پر توجہ نہ دی تاہم میں برابر تیرے حق میں خدا سے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔

آخر حضرت ابراہیم کو وحی الٰہی نے مطلع کیا کہ آزر ایمان لانے والا نہیں ہے اور یہ انہیں اشخاص میں سے ہے جنہوں نے اپنی نیک استعداد کو فنا کر کے خود کو اس کا مصداق بنالیا ہے یعنی اللہ نے مہر لگادی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

حضرت ابراہیم کو جب یہ معلوم ہوگیا تو آپ نے آزر سے اپنی برأت کا صاف صاف اعلان کردیا کہ جو امید میں نے لگائی تھی وہ ختم ہوگئی اس لیے اب استغفار کا سلسلہ بے محل ہے اسی سلسلے میں قرآن مجید کا کہنا ہے۔

"اور ابراہیم اپنے باپ کے لئے استغفار کرنے والا نہ تھا مگر اس وعدے کے مطابق جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا پر جب اس پر یہ ظاہر ہوا کہ یہ تو خدا کا دشمن ہے یعنی اس کا آخری انجام یہی ہوگا تو اس سے بے زاری کا اظہار کردیا بے شک ابراہیم رقیق القلب بردبار تھا۔

چناں چہ جب حران شہر میں بھی آپ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا تب آپ وہاں سے بھی نکلے اور فلسطین کا رخ کیا فلسطین ان کنعانیوں کے زیر اثر تھا چنانچہ فلسطین میں داخل ہونے کے بعد آپ نابلس شہر پہنچے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اس کے بعد یہاں بھی زیادہ مدت قیام نہ فرمایا اور آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ مصر جا پہنچے۔

فلسطین سے نکل کر جب آپ مصر میں داخل ہوئے تو امام بخاری سیدنا ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ بادشاہ مصر کو اطلاع کی گئی کہ ایک نووارد اپنے ریوڑوں کے ساتھ یہاں آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک حسین و جمیل عورت ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے سارہ کو اپنے دربار میں طلب کیا

اور حضرت ابراہیم کی مرضی سے جب سارہ مصر کے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئیں تو بادشاہ نے برے ارادے سے آپ کی طرف دست تصرف دراز کیا تو فوراً خدا کے حکم سے اس کی پکڑ ہوئی اور وہ زمین میں دھنسنے لگا تو گھبرا کر چلا اٹھا۔

"سارہ تو اپنے خدا سے دعا کر کہ وہ مجھے نجات دے دے میں تجھے قطعاً کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔"

چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی مگر پھر وہ گناہ کی نیت سے آپ کی طرف بڑھا تو دوبارہ اسے قدرت نے پکڑا اور پہلے سے بھی زیادہ شدید گرفت کی دوبارہ اس نے عاجزی اور انکساری سے کہا۔

"سارہ اب کی بار خدا کی بارگاہ میں دعا کر کہ مجھے نجات دے میں ہرگز تجھے اذیت نہیں دوں گا۔" بہرحال آپ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کردیا چنانچہ بادشاہ درباریوں سے کہنے لگا۔

"یہ تو کوئی جن ہے اس لیے کہ وہ لوگ جنوں کی عظمت کے بڑے معتقد ہوا کرتے تھے چنانچہ حضرت سارہ کو جانے دیا اور اپنی بیٹی یعنی شہزادی کو نام جس کا ہاجرہ تھا اسے بھی حضرت ابراہیم کے عقد میں دے دیا تاکہ وہ ان کی خدمت کرے چنانچہ جب حضرت سارہ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم نماز پڑھ رہے تھے آپ نے انہیں خوش خبری سنائی کہ اللہ پاک نے ظالم کے مکر و فریب سے نجات مرحمت فرمائی ہے اور اس نے ہاجرہ کو آپ خدمت کے لیے سپرد کردیا ہے۔

قدیم عربی کتابوں میں مصر کے بادشاہوں کی بیٹی کے لیے لفظ ہاجرہ استعمال ہوا جو فی الحقیقت عبرانی لفظ ہاغار سے ہے جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں یہ فرعون مصر کی شہزادی تھی مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم جب نابلس شہر جو فلسطین کے مغربی کے اطراف میں واقع اور کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا چل کر مصر پہنچے تو وہاں کے بادشاہ نے حضرت سارہ کی شخصیت اور کرامات سے متاثر ہو کر حضرت ہاجرہ کو آپ کی خدمت کے لیے وقف کردیا یہاں کی حکمران قوت عرب کی سامی قوم تھی جس سے آپ کے نہایت قریبی نصبی تعلقات بھی تھے لفظ ہاجرہ کا عبرانی

ہونا بھی اس دعوے کی بین دلیل ہے اور فرعون کا ہاجرہ کو آپ کی اس ازواج سے نصبی تعلق کا استحکام مقصود تھا یہ محض قیاس آرائی ہی نہیں بلکہ یہودی روایات بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

کچھ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہاجرہ مصر کے بادشاہ کی بیٹی تھی بادشاہ نے جب سارہ کی کرامات دیکھیں تو کہا اس کے گھر میں بیٹی کا کنیز بن کر رہنا دوسروں کے گھر میں بیوی بن کر رہنے سے بہت بہتر ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ حضرت سارہ کی خدمت گزار تھیں بادشاہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے تقدس سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی اس مقدس جوڑے کی خدمت کے لیے ان کے حوالے کی تھی۔

ان حقائق کی روشنی میں وہ اسرائیلی خرافات بھی طشت از بام ہوجاتے ہیں جن میں حضرت ہاجرہ کی عربی النسل ہونے کا انکار کیا گیا ہے اور انہیں اس طرح کی ایک کنیز گردانا گیا ہے جو قدیم معاشرے میں رسوائے زمانہ اور حقوق انسانی سے محروم اور شجر ممنوعہ بھی جاتی تھی جبکہ یہ کنیز یا باندی نہیں یہ ملک شاہ مصر کی شہزادی تھی اس کی تفصیل کے لیے بہت سے محققین نے تحقیق کی ہے۔

کچھ مورخین اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی سارہ اور اپنے برادر زادہ حضرت لوط کے ساتھ مصر تشریف لے گئے اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مصر کی حکومت ایسے خاندان کے ہاتھ میں تھی جو سامی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور اس طرح حضرت ابراہیم سے نصبی سلسلہ وابستہ تھا یہاں پہنچ کر حضرت ابراہیم اور فرعون مصر کے درمیان ضرور کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اس کو یقین ہوگیا کہ ابراہیم اور اس کا خاندان خدا کا مقبول اور برگزیدہ خاندان ہے یہ دیکھ کر اس نے حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی حضرت سارہ کا بہت اعزاز کیا اور ان کو ہر قسم کے مال و متاع سے نوازا اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے قدیم خاندانی رشتے کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے اپنی بیٹی ہاجرہ کو بھی حضرت ابراہیم کی زوجیت میں دے دیا جو اس زمانہ کے رسم و رواج کے اعتبار سے پہلی اور بڑی بیوی کی خدمت گزار ہوں۔

بہرحال بڑے انعام و اکرام اور عزت کے ساتھ فرعون نے حضرت ابراہیم کو مصر سے رخصت کیا۔

مصر سے روانہ ہو کر حضرت ابراہیم نے فلسطین میں قیام کرنے کا ارادہ کیا تھا اور روانگی سے قبل آپ نے اپنے بھتیجے حضرت لوط کے ساتھ ایک معاملہ طے کیا توریت میں ہے کہ مصر میں قیام میں دونوں کے پاس کافی ساز و سامان تھا اور مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ تھے اس لئے ان کے چرواہوں اور محافظوں کے درمیان بہت زیادہ کشمکش رہنے لگی تھی حضرت ابراہیم کے چرواہے چاہتے تھے کہ اس چراگاہ اور سبزہ زار سے پہلے ہمارے ریوڑ فائدہ اٹھائیں اور حضرت لوط کے چرواہوں کی خواہش ہوتی کہ اول ہمارا حق سمجھا جائے۔

حضرت ابراہیم نے اس صورت حال کا اندازہ کر کے حضرت لوط سے مشورہ کیا اور دونوں کی صلاح سے یہ طے پایا کہ باہمی تعلقات کی خوشگواری اور دائمی محبت اور الفت کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ حضرت لوط مصر سے ہجرت کر کے شرق اردن کا علاقہ سدوم اور عمورہ چلے جائیں اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ کریں اور حضرت ابراہیم کی رسالت کا پیغام حق سناتے رہیں اور حضرت ابراہیم پھر واپس فلسطین چلے جائیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تعلیم اور تبلیغ کو سربلند کریں چنانچہ یہ فیصلہ ہونے کے بعد مصر سے نکلے اور فیصلے کے مطابق اپنے ریوڑ اور اپنے اہل خانہ کو لے کر حضرت لوط اردن کے علاقے سدوم اور عمورہ کی طرف چلے گئے اور وہاں انہوں نے تبلیغ کا کام شروع کردیا جبکہ حضرت ابراہیم فلسطین میں داخل ہوئے اور وہاں آپ نے قیام کرلیا۔

فلسطین میں قیام کے دوران ہی آپ کے ہاں آپ کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ سے پیدا ہوئے آپ کی پیدائش کے بعد جس وقت کہ حضرت ابراہیم فلسطین میں مقیم تھے اور حضرت اسماعیل شیر خوار بچہ تھے اس وقت خدا کی طرف سے حضرت ابراہیم

علیہ السلام کو یہ حکم ملا کہ خانہ کعبہ کو پاک صاف کرکے نماز سے آباد رکھیں اس حکم کی تعمیل کے لئے جبرائیل امین کی راہنمائی میں حضرت ابراہیم اپنی بیوی ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو لے کر حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ راستے میں جب کسی بستی پر نظر پڑتی تو حضرت ابراہیم جبرائیل امین سے دریافت کرتے کیا ہمیں یہاں اترنے کا حکم ملا ہے تو حضرت جبرائیل جواب میں فرماتے نہیں آپ کی منزل آگے ہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی جگہ سامنے آئی جس میں کانٹے دار جھاڑیاں اور ببول کے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا اس قطع زمین کے آس پاس لوگ بستے تھے جن کو عمالیق کہا جاتا ہے بیت اللہ اس وقت ایک ٹیلے کی شکل میں تھا حضرت خلیل اللہ نے اس جگہ پہنچ کر جبرائیل امین سے دریافت کیا کیا ہماری منزل یہ ہے تب حضرت جبرائیل نے فرمایا ہاں۔

حضرت ابراہیم مع اپنے صاحبزادے اور اپنی بیوی ہاجرہ کے وہاں اترے اور بیت اللہ کے پاس ایک معمولی چھپر ڈال کر حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کو وہاں ٹھہرادیا ان کے پاس ایک توشہ دان میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزے میں پانی رکھ دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں ٹھہرنے کا حکم نہ تھا وہ اس شیر خوار بچے اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو حوالہ خدا کرکے واپس ہونے لگے۔

جانے کی تیاری دیکھ کر حضرت ہاجرہ نے عرض کیا ہمیں اس لق ودق میدان میں چھوڑ کر آپ کہاں جاتے ہیں جس میں نہ کوئی مونس ومددگار ہے نہ زندگی کی ضروریات۔

حضرت ابراہیم نے کوئی جواب نہ دیا اور چلنے لگے حضرت ہاجرہ ساتھ اٹھیں پھر بار بار یہی سوال دہرایا حضرت ابراہیم کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا یہاں تک کہ خود ان کے دل میں بات آئی اور عرض کیا۔

”کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمیں یہاں چھوڑ کر جانے کا حکم دیا۔“

تب حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ ”یہ حکم مجھے خدا ہی کی طرف سے ملا ہے۔“

یہ سن کر حضرت ہاجرہ نے کمال استقامت سے فرمایا۔ ”تو پھر آپ شوق سے جائیں جس خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے وہ ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت ابراہیم بہ حکم خداوندی وہاں چل کھڑے ہوئے مگر شیر خوار بچہ اور اسکی والدہ کا خیال لگا ہوا تھا جب راستے کے موڑ پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہ نہ دیکھ سکیں تو ٹھہر گئے اور بڑی انکساری اور عاجزی سے خدا کے حضور یہ دعا مانگی ”اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنادیجئے مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچا کر رکھیے گا۔

اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے محترم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں ہے آباد کرتا ہوں اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کردیجئے اور ان کو پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ شکرادا کریں۔“

خدا کے حضور میں آپ نے یہ دعا مانگی کہ میں نے شیر خوار بچہ اور اس کی والدہ کو آپ کے حکم کے مطابق آپ کے محترم گھر کے پاس ٹھہرا تو دیا ہے لیکن یہ جگہ زراعت کے قابل بھی نہیں جہاں کوئی اپنی محنت سے ضروریات زندگی حاصل کرسکے اس لیے آپ ہی اپنے فضل سے ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمایئے

یہ دعا کرکے حضرت ابراہیم تو اپنے وطن فلسطین کی طرف روانہ ہوگئے ادھر حضرت ہاجرہ کا کچھ وقت تو اس توشہ کھجور اور پانی کے ساتھ کٹ گیا جو حضرت ابراہیم چھوڑ گئے تھے پانی ختم ہونے کے بعد خود بھی پیاس سے بے چین اور شیر خوار بچہ بھی اس وقت پانی کی تلاش میں ان کا نکلنا اور کبھی کوہ صفا پر اور کبھی کوہ مروہ پر چڑھنا اور ان دونوں کے درمیان دوڑ دوڑ کر راستہ طے کرنا تاکہ حضرت اسماعیل آنکھوں کے سامنے آجائیں اور مسلمانوں میں معروف ہے اور حج میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا آج تک اسی کی یادگار ہے۔

اس واقعے میں حضرت جبرائیل امین کا بحکم خداوندی وہاں پہنچنا اور چشمہ زم زم کا جاری کرنا اور پھر قبیلہ جرہم کے

کچھ لوگوں کا وہاں جاکر آباد ہوجانا اور حضرت اسماعیل کے جوان ہونے کے بعد قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی ہوجانا یہ سب صحیح بخاری کی روایات میں تفصیل کے ساتھ حضرت اسماعیل کے واقعات میں تفصیل موجود ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اپنی بیوی اور بچے سے ملنے کے لیے فلسطین سے حجاز کی سرزمین یعنی مکہ آیا کرتے تھے ایک روز حضرت ابراہیم حسب عادت حضرت ہاجرہ کی ملاقات کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر بنارہے تھے۔

چنانچہ حضرت اسماعیل اپنے والد ماجد حضرت ابراہیم کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے ملاقات کے بعد حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند کو مخاطب کرکے فرمایا۔

”مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے کیا تم اس میں میری مدد کروگے۔“

لائق اور تابع فرمان فرزند نے عرض کیا۔ ”بسروچشم کروں گا۔“ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ٹیلے کی طرف اشارہ کیا جہاں بیت اللہ تھا اور کہا کہ مجھے اس کی تعمیر کا حکم ملا ہے۔

بیت اللہ کے حدود اربعہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو بتادیے تھے چنانچہ دونوں باپ بیٹے اس کام میں لگے تو بیت اللہ کی قدیم بنیادیں نکل آئیں۔

بعض روایات حدیث اور تاریخ میں مذکور ہے کہ بیت اللہ پہلے سے موجود تھا کیونکہ تمام آیات میں کہیں بیت اللہ کی جگہ بتلادینے کا ذکر آیا کہیں اس کو پاک صاف رکھنے کا ذکر ہے یہ کہیں مذکور نہیں کہ آج کوئی نیا گھر تعمیر کروانا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کا وجود اس واقعہ سے پہلے موجود تھا پھر طوفان نوح کے وقت منہدم ہوگیا یا اٹھالیا گیا صرف بنیادیں موجود ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کعبہ کے پہلے بانی نہیں بلکہ بنائے سابق کی بنیادوں پر جدید تعمیر ان کے ہاتھوں میں ہوئی۔

اب رہا یہ معاملہ کہ پہلی تعمیر کس نے اور کس وقت کی اس میں کوئی صحیح اور قوی روایت حدیث کی منقول نہیں اہل کتاب کی روایات ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے سب سے پہلے اس کی تعمیر حضرت آدم کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی فرشتوں نے کی تھی پھر حضرت آدم نے اس کی تجدید فرمائی یہ طوفان نوح تک باقی رہی طوفان نوح میں منہدم ہوجانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے از سر نو تعمیر فرمائی اس کے بعد اس تعمیر میں شکست ریخت تو ہمیشہ ہوتی رہی مگر منہدم نہیں ہوئی۔

چنانچہ خدا نے بیت اللہ کو یہ خاص فضیلت بخشی کہ وہ ہمیشہ مرجع خلائق بنا رہے گا اور لوگ بار بار اس کی طرف جانے اور لوٹنے کے آرزومند رہیں گے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی آدمی اس کی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ زیارت اور طواف کا شوق لے کر لوٹتا ہے بعض علماء نے فرمایا کہ قبول حج کے معاملات میں سے ہے کہ وہاں سے لوٹنے کے بعد پھر وہاں جانے کا شوق دل میں پائے چنانچہ عام طور پر اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ پہلی مرتبہ جتنا شوق زیارت بیت اللہ کا ہوتا ہے دوسری مرتبہ کے لیے اس شوق میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

یہ معجزہ بیت اللہ کی ہی خصوصیت ہوسکتی ہے ورنہ دنیا کے بہتر سے بہتر مناظر کو انسان ایک دو مرتبہ دیکھ لینے کے بعد سیر ہوجاتا ہے اور پانچ سات مرتبہ دیکھنے کے بعد دیکھنے کا دھیان بھی نہیں آتا اور یہاں تو نہ کوئی خوش منظر جگہ ہے نہ وہاں پہنچنا کچھ آسان ہے نہ وہاں دنیا کے کاروبار کی کوئی اہمیت ہے اس کے باوجود لوگوں کے دل میں اس کی تڑپ ہمیشہ موجزن رہتی ہے بھاری رقوم خرچ کرکے سینکڑوں مشقتیں جھیل کر وہاں پہنچنے کے بعد مشتاق رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ خدا نے حرم مکہ کو جائے امن بنادیا اور جائے امن بنادینے سے مراد لوگوں کو یہ حکم دینا ہے کہ حرم محترم کو عام قتل وقتال اور انتظام سے بالا رکھیں۔

چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاتھ میں ملت ابراہیمی کے جو آثار باقی رہ گئے تھے ان میں یہ بھی تھا

کہ حرم میں اپنے باپ اور بھائی کا قاتل بھی کسی کو ملتا تو انتقام نہیں لیتے تھے اور عام جنگ وقتال کو بھی حرم میں حرام سمجھتے تھے

جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم تعمیر کعبہ کا کام لیتے تھے وہ اب مقام ابراہیم ہے اسی پر حضرت ابراہیم کے قدم مبارک بطور معجزہ نشان پڑ گیا تھا اور جس کو تعمیر بیت اللہ کے وقت آپ نے استعمال کیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس پتھر میں حضرت ابراہیم کے قدم مبارک کا نقش دیکھا ہے مگر لوگوں کے بکثرت چھونے اور ہاتھ لگانے سے اب وہ نشان ہلکا پڑ گیا ہے۔

حضرت ابراہیم نے خدا کے حضور مکہ کے لیے امن والا شہر بنا دینے کی دعا مانگی تھی جو قتل وغارت گری سے کفار کے تسلط سے اور آفات سے مامون اور محفوظ رہے۔

حضرت ابراہیم کی یہ دعا قبول ہوئی اور مکہ مکرمہ ایک ایسا آباد شہر ہو گیا کہ اس کی اپنی آبادی کے علاوہ ساری دنیا کا مرجع بن گیا اطراف عالم سے مسلمان وہاں پہنچ کر اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور مامون محفوظ بھی ہو گیا کہ بیت اللہ کے مخالف کسی قوم اور کسی بادشاہ کا اس پر تسلط نہیں ہو سکا اصحاب فیل کا واقعہ خود قرآن پاک میں مذکور ہے کہ انہوں نے بیت اللہ پر حملے کا قصد کیا تو پورے کا پورا لشکر تباہ و برباد کر دیا گیا۔

دعائے ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو ایک مامون شہر اور تمام دنیا کے لیے امن کی جگہ قدرتی طور پر بھی بنا دی ہے یہاں تک کہ دجال کو بھی حرم میں داخل ہونے کی قدرت نہ ہوگی۔

ایک اور حضرت ابراہیم نے یہ دعا فرمائی کہ اس شہر کے باشندوں کو پھلوں کا رزق عطا فرما مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کی زمین نہ کسی باغ وچمن کی متحمل تھی نہ وہاں دور دور تک پانی کا نام ونشان تھا مگر حق تعالیٰ نے دعائے ابراہیمی کو قبول فرمایا اور مکہ کے قریب ہی طائف کا ایسا خطہ بنا دیا جس میں ہر طرح کے بہترین پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور مکہ مکرمہ آ کر فروخت ہوتے ہیں بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ طائف دراصل ملک شام کا خطہ تھا جس کو بحکم خدا وندی جبرائیل امین نے شام سے عرب میں منتقل کر دیا۔

حضرت ابراہیم نے یہ بھی دعا مانگی کہ اپنی آئندہ نسل کی فلاح دنیا اور آخرت کے واسطے میری اولاد میں ایک رسول بھی بھیج دیجیے جو لوگوں کو آپ کی آیات تلاوت کر کے سنائے اور قرآن وسنت کی تعلیم دے اور ان کو ظاہری اور باطنی راہ روی سے پاک کرے۔

اس میں حضرت ابراہیم نے اس رسول کے لیے اپنی اولاد میں ہونے کی اس لیے دعا فرمائی کہ اول تو یہ اپنی اولاد کے لیے سعادت اور شرف ہے دوسرے ان لوگوں کے لیے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ رسول جب انہیں کی قوم اور برادری کے اندر ہوگا تو اس کے چال چلن، سیرت اور حالات سے یہ لوگ بخوبی واقف ہوں گے کسی دھوکے فریب میں مبتلا نہ ہوں گے حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم کو اس دعا کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ملا کہ آپ کی دعا قبول کر لی گئی اور اس دعا کے نتیجے میں ان سرزمینوں میں آپ ہی کی نسل سے حضور پاک ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔

☆......☆......☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت حضرت سارہ یعنی اپنی بیوی کے ساتھ فلسطین میں قیام کر رکھا تھا اور آپ کی دوسری زوجہ حضرت ہاجرہ اور آپ کا بڑا بیٹا حضرت اسماعیل سرزمین حجاز میں تھے تب ایک دن اور ایک موقع پر فرشتے انسانی صورت میں حضرت ابراہیم کے پاس آئے اس سے متعلق مورخین اور مفسرین لکھتے ہیں کہ خدا نے چند فرشتوں کو ان کے پاس اولاد کی بشارت دینے کے لیے بھیجا کیونکہ حضرت ابراہیم کی زوجہ حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہ تھی اور ان کو اولاد کی بڑی تمنا تھی مگر دونوں کا بڑھاپا تھا بظاہر کوئی امید نہ تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے خوشخبری بھیجی اور وہ بھی اس شان کی کہ نرینہ اولاد ہوگی اور اس کا نام بھی اسحاق تجویز فرما دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ زندہ رہیں گے اور وہ بھی صاحب اولاد ہوں گے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ ان کے لڑکے کا نام یعقوب ہوگا اور دونوں اللہ تعالیٰ کے رسول اور پیغمبر ہوں گے۔

یہ فرشتے جس وقت حضرت ابراہیم کے پاس آئے

تو وہ انسانی شکل میں آئے تھے اس لئے حضرت ابراہیم نے ان کو عام مہمان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کی بھنا ہوا گوشت سامنے لا کر رکھا مگر وہ تو حقیقتاً فرشتے تھے کھانے پینے سے پاک اس لئے کھانا سامنے ہونے کے باوجود اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

حضرت ابراہیم یہ دیکھ کر فکر مند ہوئے اور اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم ہوتے ممکن ہے کسی فساد کی نیت سے آئے ہوں۔

فرشتوں نے ان کا یہ اندیشہ معلوم کر کے بات کھول دی اور بتلا دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں آپ گھبرائیں نہیں ہم آپ کو اولاد کی بشارت دینے کے علاوہ ایک اور کام کے لئے بھیجے گئے ہیں کہ قوم لوط پر عذاب نازل کریں۔

حضرت ابراہیم کی زوجہ محترم حضرت سارہ پس پردہ یہ گفتگو سن رہی تھیں جب معلوم ہوا کہ یہ انسان نہیں فرشتے ہیں تو پردے کی ضرورت نہ رہی بڑھاپے میں اولاد کی خوشخبری سن کر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں۔

''کیا میں بڑھیا ہو کر اولاد جنوں گی اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔

فرشتوں نے جواب دیا کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو جس کی قدرت میں سب کچھ ہے خصوصاً تم خاندان نبوت میں رہ کر بھی اس کا مشاہدہ کرتی رہتی ہو اس خاندان پر اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی رحمت نازل ہوتی رہی ہے جو اکثر سلسلہ اسباب ظاہری سے بالاتر ہوتی ہے پھر تعجب کی کیا بات ہے اس واقعے پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس اس موقع پر آئے وہ تعداد میں تین تھے جن میں سے ایک جبرائیل، دوسرے میکائیل اور تیسرے اسرافیل تھے انہوں نے بشکل انسانی آ کر حضرت ابراہیم کو سلام کیا حضرت ابراہیم نے سلام کا جواب دیا ان کو انسان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کی حضرت ابراہیم پہلے انسان ہیں جنہوں نے دنیا میں مہمان نوازی کی رسم جاری فرمائی ان کا معمول یہ تھا کہ کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے بلکہ ہر کھانے کے وقت تلاش کرتے تھے کہ کوئی مہمان آ جائے تو اس کے ساتھ کھائیں بعض اسرائیلی روایات میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک روز کھانے کے وقت حضرت ابراہیم نے مہمان کی تلاش شروع کی تو ایک اجنبی آدمی ملا جب وہ کھانے پر بیٹھا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا بسم اللہ کہو۔

اس نے کہا۔ ''میں نہیں جانتا اللہ کون ہے اور کیا ہے؟''

حضرت ابراہیم نے اس کو دستر خوان سے اٹھا دیا جب وہ باہر چلا گیا تو جبرائیل امین آئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تو اس کے کفر کے باوجود ساری عمر اس کو رزق دیا اور آپ نے ایک لقمہ دینے میں بخل کیا۔

یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم اس شخص کے پیچھے دوڑے اور اس کو واپس بلا لیا اس نے کہا جب تک آپ اس کی وجہ نہ بتائیں گے کہ پہلے کیوں مجھے نکالا گیا اب پھر کیوں بلا رہے ہیں میں اس وقت تک آپ کے ساتھ نہ جاؤں گا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم نے واقعہ بتا دیا اور یہی واقعہ اس کے مسلمان اور اسلام لانے کا سبب بن گیا اس نے کہا وہ رب جس نے حکم بھیجا ہے بڑا کریم ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں پھر حضرت ابراہیم کے ساتھ گیا اور مومن ہو کر بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا۔

ان فرشتوں سے متعلق ایک اور روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ تیر تھے ان کی نوک کو اس تلے ہوئے گوشت پر لگانے لگے اور اس کے عمل سے حضرت ابراہیم کو اپنے اندازے کے مطابق یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ شاید کوئی دشمن ہوں کیوں کہ ان کے مطابق کسی مہمان کا کھانے سے انکار کرنا ایسے ہی شر وفساد کی علامت ہوتا ہے۔

اس موقع پر جب وہ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے پہلے سلام کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے سنت ہے کہ آپس میں ملیں تو سلام کریں آنے والے مہمان کو اس میں پیش قدمی کرنی چاہیے اور دوسروں کو جواب دینا چاہیے گویہ رسم تو ہر قوم اور ملت میں پائی جاتی ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے

کوخوش کرنے کے لئے کچھ کلمات بولے جاتے ہیں لیکن اسلام کی تعلیم اس معاملے میں بے نظیر اور بہترین ہے کیونکہ سلام کا مسنون لفظ جو مسلمان اسلام علیکم کہتے ہیں اور مخاطب سے اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی دعا بھی ہے اور اپنی طرف سے اس کی جان ومال اور آبرو کے لئے سلامتی کی ضمانت بھی ہے۔

اس موقع پر جو فرشتے حضرت ابراہیم سے ملاقات کے لئے آئے ان سے مہمانداری کے اصول بھی مرتب کیے جاتے ہیں کہ مہمان نوازی کے آداب میں سے یہ ہے کہ مہمان کے آتے ہی جو کچھ کھانے پینے کی چیز میسر ہو اور جلدی سے مہیا ہوسکے وہ لا رکھے پھر اگر صاحب خانہ وسعت رکھتا ہے تو مزید مہمان نوازی کا انتظام بعد میں کرے۔

☆......☆......☆

ان تمام واقعات وحالات کے پیش نظر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی ذات انبیاء میں بہت اہم ہے اللہ تعالیٰ سورہ مریم میں حضرت ابراہیم سے متعلق فرماتا ہے۔

"یاد کرو کہ کتاب میں ابراہیم کا ذکر بے شک وہ صدیق تھا۔"

صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس ہستی پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے صدق جس کی ذاتی اور نفسیاتی صفت ہو۔

اس کے علاوہ سورہ النحل میں حضرت ابراہیم کے متعلق فرمایا۔ "بے شک ابراہیم حکم برادری کی راہ ڈالنے والا تھا اور خالص اللہ کی طرف جھکنے والا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا خدا کی نعمتوں کا شکر گزار تھا خدا نے اس کو چن لیا اور سیدھی راہ کی اس کو ہدایت دی۔"

اس کے بعد حضرت ابراہیم ہی کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کو مخاطب کرکے سورہ نحل میں فرمایا۔

"پھر ہم نے تیری طرف وحی بھیجی کہ تو ملت ابراہیمی کی پیروی کر جو ابراہیمی کے خالص خدا کی طرف جھکنے والا تھا۔

یہ وہ ابراہیم ہیں جن کی ملت کی ابتداء اور پیروی حضور اور ان کی امت کو کی جارہی ہے۔

اس کے علاوہ سورہ انبیاء میں حضرت ابراہیم متعلق فرمایا۔

"بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو رشد وہدایت شروع ہی بخش دیا اور ہم ہی اسکو جاننے والے ہیں۔"

یہ اور اس قسم کی بہت سی آیات حضرت ابراہیم کی خصوصی صفات کا ذکر کرتی اور نصوص قطعیہ پیش کرتی ہیں جن کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی ان جیسی مقدس اور جلیل القدر ہستی کے متعلق کوئی غلط رائے کا تصور نہیں ہوسکتا۔

بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم ان کے پاس واپس آئے اور مکہ کی آبادی کو دیکھ کر انہوں نے وہاں اللہ کا گھر کعبہ تعمیر کیا چنانچہ اسی لئے کعبہ کی عظمت مسلمانوں کے دل میں ہے کیونکہ یہ سب سے پہلی مسجد تھی جو خدائے واحد کی عبادت کے لئے بنی تھی اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں عیدالضحیٰ کی قربانی بھی حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسماعیل کی یاد دلاتی ہے حضرت ابراہیم کا یہ بیٹا جب بڑا ہوا تو حضرت ابراہیم حجاز کی سرزمینوں میں آئے اور انہوں نے کہا "اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں چنانچہ باپ بیٹا دونوں نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا پر چھوڑ دیا اس آزمائش میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں امام الناس کا خطاب دیا اور ساتھ ہی انہیں ایک اور بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بھی بشارت دی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز ہی کی سرزمینوں میں مستقل آباد ہوگئے تھے وہیں ان کی شادی ہوئی ان کی شادی کے بعد بھی حضرت ابراہیم اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملنے کے لئے حجاز کی سرزمینوں میں آتے رہتے تھے چنانچہ جب حضرت ابراہیم کی عمر ایک سو پچھتر (175) برس کو پہنچی تو آپ نے وفات پائی اور وہ حبرون شہر میں مکفیلہ کے غار میں دفن ہوئے اب اس مقام کو الخلیل بھی کہتے ہیں جو بیت المقدس کے قریب ہے۔

☆